U116124 24-12-7.

Title - MAWAZINA-E-ANEES-O-DABEER YAANI MEER ANEES KI SHAYARI PAR TAPSEELI RAWAW AUR MEER ANEES-O-MIRZA DABEER KA MAWAZINA

Creator - Shibli Nemani

Publisher - Matba Mufeed Aam (Agra).

Date - 1907.

Pages - 285

Subjects - Urdu Marasi - Tanqeed.

سلسلۂ آصفیہ

موازنۂ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ

مولفہ

شبلی نعمانی

النّاظر پریس واقع لکھنؤ میں

باہتمام اسحٰق علی علوی طبع ہوا

سنہ ۱۹۲۴ء

سلسلۂ آصفیہ

موازنۂ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ

مولفہ

شبلی نعمانی

الناظر پریس واقع لکھنؤ میں

باہتمام اسحق علی علوی طبع ہوا

سنہ ۱۹۲۴ء

فہرست مضامین

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

شمعہا پردہ ام از صدق بہ خاک شہدا | تا دل و دیدۂ خون نابہ فشانم دادند

فلسفہ اور شاعری برابر درجہ کی چیزین ہین، لیکن قوم کی بدمذاقی سے جس قسم کی شاعری نے ملک ہین قبول عام حاصل کرلیا ہے، اس نے لوگون کو یقین دلا دیا ہے کہ اردو شاعری ہین زلف و خال و خط، یا جھوٹی خوشامد اور مداحی کے سوا اور کچھ نہین ہے، میر تقی کی غزلیت، درد کا تصوف، غالب کا فلسفہ، شاعری کی جان ہین، لیکن ان بیش بہا خزانون ہین سے بھی، عام لوگون کی نگاہ صرف خزف ریزون پر پڑتی ہے، میر انیس کا کلام شاعری کے تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے لیکن اُن کی قدردانی کا طغرائے امتیاز صرف اسقدر ہے کہ "کلام فصیح ہوتا ہے" اور "بین اچھا لکھتے ہین"، بدمذاقی کی نوبت یہانتک پہونچی کہ وہ اور مرزا دبیر حریف مقابل قرار دیے گئے، اور مدتہائے دراز کی غور و فکر، کد و کاوش بحث و تکرار کے بعد بھی فیصلہ نہ ہوسکا کہ ترجیح کا مسند نشین کسکو کیا جائے۔

اس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ و تنقید لکھی جائے جس سے اندازہ ہو سکے کہ اردو شاعری، باوجود کم مائگی زبان کیا پایہ رکھتی ہے، اس غرض کے لئے میر انیس سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لئے موزون نہین ہو سکتا تھا، کیونکہ اُن کے کلام مین شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہین، اور کسی کے کلام مین نہین پائے جاتے، شکر ہے کہ آج اُس ارادہ کے پورے ہونے کی نوبت آئی، اور یہ کتاب ناظرین کی خدمت مین پیشکش ہے، اس کتاب مین میر انیس کا موازنہ بھی مرزا دبیر سے کیا گیا ہے اور اس مناسبت سے اس کا نام موازنہ ہے۔

شاعری کیا چیز ہے؟ یہ ایک نہایت مفصل اور دقیق بحث ہے۔ ارسطو نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین ابن رشد نے کیا اور اسکا بڑا حصہ چھپکر شایع بھی ہو چکا ہے۔ ابن رشیق قیروانی اور ابن خلدون نے بھی اس پر بحث کی ہے، انگریزی زبان مین نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین اس مسئلہ پر لکھی گئی ہین جن مین سے بعض میری نظر سے بھی گزری ہین، گو مین اُن سے اچھی طرح مستفید نہین ہو سکا، شعر العجم مین مین اس مضمون کو انشاء اللہ نہایت تفصیل سے لکھونگا، یہان صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ شاعری کے دو جزء ہین مادّہ و صورت یعنی کیا کہنا چاہیئے اور کیونکر کہنا چاہیئے؟ انسان کے دل مین کسی چیز کے دیکھنے سننے۔ یا کسی حالت، یا واقعہ کے پیش آنے سے، جوش و مسرت عشق و محبت، درد و رنج، فخر و ناز، حیرت و استعجاب، طیش و غضب وغیرہ وغیرہ کی جو حالت پیدا ہوتی ہے اسکو جذبات سے تعبیر کرتے ہین، ان جذبات کا ادا کرنا شاعری کا اصلی ہیولیٰ ہے، ان کے سوا عالم قدرت کے مناظر مثلاً گرمی و سردی، صبح و شام، بہار و خزان، باغ و بہار، دشت و صحرا، کوہ و بیابان، کی تصویر کھینچنا، یا عام واقعات اور حالات کا بیان کرنا بھی اسی مین داخل ہے۔

لیکن یہ شرط ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس انداز سے کہا جائے کہ جو اثر شاعر کے دل مین ہے وہی سننے والون پر بھی چھا جائے، یہ شاعری کا دوسرا جز یعنی اسکی صورت ہے، اور انھی دونون چیزون کے مجموعہ کا نام شاعری ہے۔ باقی خیال بندی، مضمون آفرینی، دقت پسندی، مبالغہ، صنائع و بدائع، شاعری کی حقیقت مین داخل نہین، اگرچہ بعض جگہ یہ چیزین نقش و نگار اور زیب و زینت کا کام دیتی ہین۔

میر انیس کی شاعری کو اسی معیار سے جانچنا چاہیئے جس کا مختصر بیان ہوا، جس شخص کو یہ معیار تسلیم نہ ہو، اسکے سامنے میر انیس کی نسبت کمال شاعری کا دعویٰ نہین کیا جا سکتا۔

میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کے کلام مین جن لوگون کا ذکر اکثر آتا ہے، اور جو مرثیہ کے ہیرو ہین، اُن کا نام اور اُن کی خصوصیات ذیل مین اس غرض سے لکھی جاتی ہین کہ واقعہ اور روایت کے سمجھنے مین مدد ملے، اور محاسن شعری اور اسالیب بلاغت کے نکات سمجھ مین آئین۔

حضرت عباسؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی ہین اور گو حقیقی بھائی نہین لیکن حقیقی بھائیوں سے زیادہ مخلص اور جان نثار ہین، اس خصوصیت کو ہر جگہ دکھایا ہے، اس کے ساتھ ان کی شجاعت و بہادری اور جوانانہ جوش کو ہر موقع پر نمایان کیا ہے۔

حضرت زینبؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن، جو سب سے زیادہ امام علیہ السلام سے محبت رکھتی تھین، ان کے دو صاحبزادے تھے، عونؑ و محمدؑ، دونون کو انھون نے امام پر نثار کر دیا۔

عونؑ و محمدؑ حضرت زینبؑ کے صاحبزادے،

حضرت صغریٰ امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی، جن کو امام علیہ السلام

مدینہ مین چھوڑ آئے، ان کی جدائی اور رخصت کو تمام مرثیہ گویون نے بڑے درد اور اثر کے ساتھ لکھا ہے۔

حضرت سکینہؑ	امام علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جو قیدخانہ کی تکلیفوں سے انتقال کر گئین (حسب خیال مرثیہ گویان اُردو)
حضرت علیؑ اکبر	امام علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے، ان کو حضرت زینبؑ نے پالا تھا، اور اپنے بیٹون سے زیادہ ان کو عزیز رکھتی تھین اس بنا پر وہ حضرت زینبؑ ہی کو اپنا مالک و مختار سمجھتے تھے، اور مان سے زیادہ اُن کا ادب کرتے تھے۔
علی اصغرؑ	امام علیہ السلام کے شش ماہہ صاحبزادے جنکو دشمنون نے امام علیہ السلام کی گود مین شہید کیا۔
حضرت سجّاد	امام زین العابدین، جو بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے اور دشمن ان کو بیڑیان پہنا کر شام تک پیادہ پا لے گئے تھے۔
حضرت شہربانوؑ	امام علیہ السلام کی حرم محترم جو نوشیروان کی پوتی تھین،
حُر	یزید کے رسالہ کا سپہ سالار تھا، لیکن خدا نے ہدایت کی، اور امام علیہ السلام کی فوج مین آکر شامل ہو گیا۔

مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ

عرب مین جو فارسی اور اُردو شاعری کا سرچشمہ ہے، شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، اور یہی ہونا چاہیئے تھا، عرب مین شاعری کی ابتدا بالکل فطرت کے اصول پر ہوئی یعنی جو جذبات دلون مین پیدا ہوتے تھے، وہی اشعار مین ادا کر دئے جاتے تھے۔

جذبات مین، درد و غم کا جذبہ اور جذبات سے قوی تر ہے، اور جس جوش سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور جذبات ظاہر نہین ہو سکتے، فرض کرو ایک شخص کے گھر مین بہت تمناؤن کے بعد بیٹا پیدا ہوا، تو اُس کو گو بہت کچھ خوشی ہوگی، لیکن وہ اس خوشی کو کسی مجمع عام مین اشعار یا خطبہ کے ذریعہ سے ظاہر نہین کریگا، اور کرے بھی تو کلام مین کوئی غیر معمولی تاثیر نہوگی، لیکن اگر یہی لڑکا مرجائے تو اسکی کیا حالت ہوگی؟ وہ سراپا جوش بن جائے گا، اُسکی آہ و زاری لوگون کو تڑپا دیگی، اور اگر وہ شاعر ہے، تو اُسکے مرثیے دلون پر نشتر کا کام دینگے۔

بہرحال عرب مین چونکہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، جو سب سے قوی تر جذبہ کا اثر ہے،

قصائد پر مرثیہ کا اثر

مرثیے عین اُس حالت مین کہے جاتے تھے، جبکہ شاعر کا دل درد و غم سے لبریز ہوتا تھا، اس کا شاعری پر ایک خاص اثر یہ ہوا کہ قصائد کی ابتدا جو عام طور تشبیب اور غزل سے کی جاتی تھی، مرثیہ کے قصائد مین یہ طرز متروک ہوگیا، کیونکہ رنج و غم کی حالت مین عشق و محبت کے خیالات کا کیا موقع تھا۔ عرب مین اسکی مخالف، صرف

ایک مثال موجود ہے، یعنی ورید بن الصمہ ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ جو لکھا اسکی ابتدا غزل سے کی تھی، جس کا مطلع یہ تھا۔

ارثّ جدید الحبل من ام معبد	بعاقبۃ او اخلفت کل موعد

لیکن اسکی وجہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین یہ لکھی ہے کہ یہ مرثیہ واقعہ کے پورے ایک برس بعد لکھا گیا تھا۔

اگرچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین مرثیہ گوئی کو بہت ترقّی ہوچکی تھی، اور بہت سے شعرا نے بڑے بڑے پُراثر مرثیے لکھے تھے لیکن دو شخص اس زمانہ مین بہت نامور ہوئے، خنسا، اور متمم بن نویرہ۔ خنسا ایک عورت تھی، جس کو اپنے بھائی صخر سے بے انتہا محبت تھی، صخر ایک لڑائی مین مارا گیا، خنسا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اس کے حواس جاتے رہے، اس نے صخر کی پھٹی پُرانی جوتیون کا ہار بنا کر گلے مین ڈالا اور دیوانہ وار پھرنے لگی اسی حالت مین صخر کے مرثیے کہنے شروع کیے، اِن مرثیون کو پڑھتی تھی، اور نوحہ کرتی تھی، ایک دفعہ اسی حالت مین حج کو گئی، یہ حضرت عمر فاروق کا زمانہ تھا، وہ حرم کا طواف کرتی، اور سینہ پر دوہتڑ مارتی جاتی تھی، حضرت عمر نے دیکھا تو ڈانٹا، اس نے اپنی داستان بیان کی، حضرت عمر نے کہا ہان! لیکن ماتم کے اس طریقے کو اسلام نے مٹا دیا، وہ اور بیتاب ہوگئی، اور اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے چند شعر نکلے جن کا مطلع یہ ہے۔

هریقی من دموعك واستفیقی	وصبرًا ان اطقت ولم تطیقی

(اپنے نفس سے مخاطب ہوکر)

آنسو بہا اور اس سے تسلی حاصل کر، اور صبر کر اگر تجھ سے کیا جائے، لیکن تو کر نہین سکنے کی۔

متمم بن نویرہ بھی اسی زمانہ مین تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کا شیفتہ اور عاشق تھا، ایک لڑائی مین خالد بن الولید نے اِس کے بھائی کو مار ڈالا، اس پر متمم کی یہ حالت ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر نکلا، اور قبائل عرب مین پھرنا شروع کیا، جہان پہونچتا تھا تمام زن و مرد

اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے، وہ درد انگیز لہجہ مین مرثیہ پڑھتا، اور ہر طرف سے گریہ وزاری کی آواز بلند ہوتی،، اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگون نے سمجھایا، کہ تم جلد ہلاک ہوجاؤ گے اور تمھارے خاندان کی کوئی یادگار باقی نہ رہے گی، اِس لئے تم شادی کرلو کہ اولاد کے ذریعہ سے خاندان کا نام رہ جائے،، لوگون کے اصرار سے مجبور ہو کر اُس نے شادی کی لیکن بیوی کی طرف التفات نہ کرسکا، آخر طلاق دینی پڑی، اسی حالت مین حضرت عمرؓ کے پاس آیا، وہ اُس وقت مسجد نبوی مین تشریف رکھتے تھے، متمم نے مرثیہ کے اشعار پڑھنے شروع کئے، حضرت عمرؓ اگرچہ نہایت مضبوط دل کے آدمی تھے، لیکن ضبط نہ کرسکے،، بے اختیار آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، متمم مرثیہ پڑھ چکا تو حضرت عمرؓ نے کہا الی ما بلغ بك الحال یعنی تیرے غم کی حالت کس حد تک پہونچی ہے؟ اُس نے کہا امیر المومنین بچپن مین مجھکو ایک عارضہ ہوگیا تھا جسکی وجہ سے میری بائین آنکھ کی رطوبت جاتی رہی تھی، مین ی روتا تھا تو اُس آنکھ سے آنسو نہین نکلتے تھے، بھائی کے مرنے کے بعد جو اس آنکھ ے آنسو جاری ہوئے تو ابتک نہیں تھمے۔

حضرت عمرؓ نے اِس سے فرمائش کی کہ اُن کے بھائی زید کا مرثیہ لکھے، اُس نے ئش پوری کی، لیکن جب دوسرے دن جاکر حضرت عمرؓ کو سُنایا، تو حضرت عمرؓ نے کہا، کہ اُس مین تو وہ درد نہین ہے، اُس نے کہا، امیر المومنین! زید آپ کے بھائی تھے میرے بھائی نہ تھے،

اس زمانہ تک مرثیہ صرف وہ لوگ کہتے تھے جن پر کوئی غیر معمولی حالت طاری ہوتی تھی، اس کے بعد جب شاعری اصلی حالت سے بدل کر کسب معاش کا ذریعہ بنی تو مرثیہ گوئی کو خود بخود زوال ہوا کیونکہ مدحیہ قصائد کی طرح اس سے کچھ صلہ نہین مل سکتا تھا، تاہم چونکہ عرب مین ابھی تک قدیم اوصاف کچھ کچھ باقی تھے اس لئے بعض مرثیے اِس زمانہ کے بھی ایسے ملتے ہین جن مین اثر اور جوش پایا جاتا ہے۔

اِسی زمانہ مین کربلا کا قیامت انگیز واقعہ پیش آیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ اگر عرب کے اصلی جذبات موجود ہوتے تو اس زور کے مرثیے لکھے جاتے کہ تمام دنیا مین آگ لگ جاتی لیکن اِدھر تو عرب کے پرزور جذبات مین انحطاط آچکا تھا، ادھر بنو اُمیّہ کی ظالمانہ سطوت اور جباری نے تمام شعرا کی زبانین بند کردی تھین، فرزدق بنو امیہ کے پایۂ تخت کا شاعر تھا، لیکن جب اس نے ایک موقع پر فوری جوش سے حضرت امام زین العابدینؑ کی مدح مین فی البدیہہ چند شعر کہے تو عبدالملک بن مروان نے اسکو جیل خانہ بھیجدیا؛

بنو امیہ کے بعد دولت عباسیہ کا دور آیا، اِس عہد مین شاعری کو بہت ترقی ہوئی لیکن اُنہی اصناف کو ترقی ہوئی جن کو صلہ اور انعام سے تعلق تھا، اس لئے مرثیہ گوئی اب بھی اُسی حالت مین رہی۔

البتہ معن اور جعفر برمکی کی فیاضیوں نے ایک عالم کو ممنون احسان بنا رکھا تھا، اِس لئے اُن کے مرنے پر جو مرثیے لکھے گئے، اُن مین سے اکثر پراثر اور درد انگیز ہیں

فارسی شاعری کی بُنیاد، تکلف، آورد، اور مداحی پر قائم ہوئی تھی، اس لئے شاعری کے وہ انواع جنکو جذبات سے لازمی تعلق تھا دفعۃً پستی کی حالت میں آگئے تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہے، اِس لئے فردوسی اور فرخی و فرخی کی شاعری مین جا بجا جذبات کا اظہار بہت خوبی کے ساتھ نظر آتا ہے؛

فردوسی نے سُہراب کا مرثیہ جو اُسکی ماں کی زبان سے لکھا ہے، اُس کے اشعار سے اِس کا اندازہ ہو سکے گا۔

بمادر خبر شد کہ سُہراب گرد	ز تیغ پدر خستہ گشت و بمُرد
خروشید و جوشید و جامہ درید	بزاری، بران کودکِ نا رسید

سلہ۔ عرب کی مرثیہ گوئی کا مضمون ایک نہایت وسیع مضمون ہے لیکن ہم کو اقتضائے مقام سے نہایت اختصار کرنا پڑا کتاب العمدہ ابن رشیق نے باب المراثی مین اسپر مفصل بحث کی ہے۔

بزد چنگ و بدرید پیراهنش — درخشان شد آن لعل زیبا تنش
برآورد بانگ و غریو و خروش — زمان تا زمان زو همی رفت هوش
فرو برد ناخن دو دیده بکند — برآورد بالا در آتش فکند
مر آن زلف چون تاب داده کمند — به انگشت پیچید و از بن بکند
روان گشت از روی او جوی خون — زمان تا زمان اندر آمد نگون
همه خاک تیره بسر بر فگند — بدندان ز بازوی خود گوشت کند
بسر بر فگند آتش و بر فروخت — همه موی مشکین بآتش بسوخت
همی گفت کای جان مادر کنون — کجائی سرشته بخاک و بخون؟
دو چشمم بره بود گفتم مگر — ز سهراب و رستم بیابم خبر
گمانم چنان بود، گفتم کنون — به گشتی بگرد جهان اندرون
پدر را همی جستی و یافتی — کنون آمدن نیز بشتافتی
چه دانستم ای پور کاید خبر — که رستم بخنجر دریدت جگر
دریغش نیامد ازان روی تو — ازان برز و بالای و بازوی تو
بپرورده بودم تنش را بناز — برخشنده روز و شبان دراز
کنون آن بخون اندرون غرقه گشت — کفن بر تن پاک او خرقه گشت
کنون من کرا گیرم اندر کنار — که خواهد بدن مر مرا غمگسار
کرا گویم این درد و تیمار خویش — کرا خوانم اکنون بجای تو پیش
پدر جستی ای گرد لشکر پناه — بجای پدر گورت آمد براه
از امید نا امید گشتی تو زار — بخفتی بخاک اندرون زار و خوار
ازان پیش کو دشنه را بر کشید — جگرگاه سیمین تو بر درید
چرا آن نشانی که مادرت داد — نه دادی بدو بر، نکردیش یاد

نشان دادہ بداز پدر مادرت
زہر چہ نامد ہے بادرت

کنون مادرت ماندبی تو اسیر
پر از درد و تیمار و رنج و زحیر

چرا نا مدم با تو اندر سفر
کہ گشتی بگردان گیتی سمر

مرا رستم از دور بشناختی
ترا بامن اے پور بنواختی

بیند اختی تیغ آن سر فراز
نکردی جگرگاہ تا ای پور باز

ہمی گفت و می خست و میکند موی
ہمی زد کف دست بر خوبروی

ہمی گفت مادرت بیچارہ گشت
بہ خنجر جگرگاہ تو پارہ گشت

اسی زمانہ کے قریب سلطان محمود کی وفات پر فرخی نے مرثیہ لکھا، جو نہایت مؤثر اور درد انگیز ہے

شہر غزنین نہ ہمان ست کہ من دیدم پار
چہ فتادست؟ کہ امسال دگرگون شدکار

کوہہا بینم، پُر شورش و سرتا سر کوی
ہمہ پرجوشن و جوشن درو پرخیل و سوار

آملک امسال دگر باز نیامد زغزا
دشمنی روی نہادست درین شہر و دیار

آہ و دردا کہ بیک بارہ تہی بینم ازو
کاخ محمودی و آن خانۂ پُر نقش و نگار

سیر می خوردہ نگردی و نخفتہ است امروز
دیر تر خاست، مگر رنج رسیدش زخمار

خیز شاہا! کہ رسولان شہان آمدہ اند
ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار

کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا
خفتنی خفتی، کز خواب نگردی بیدار

خفتن بسیار اے خسرو! خوی تو نبود
ہیچ کس خفتہ ندیدست ترا زین کردار

یک مک بارے درخانہ بباید نشست
تا بدیدندے روی تو عزیزان و تبار

بہ حصار از فزع و بیم تو رفتند شہان
تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بکنار؟

شعر را بتو بازار بر افروختہ بود
رفتی و با تو بیکبارہ برفت آن بازار

اس دور کے بعد مرثیے بہت کم لکھے گئے اور جو لکھے گئے وہ صرف رسمی مرثیے

تھے، جن سے شاعری کے تمام اقسام پر قادر ہونے کا اظہار مقصود تھا، البتہ شیخ سعدی اور امیر خسرو کے دو مرثیے بہت مشہور ہین، اور چونکہ دل سے نکلے ہین، حسرت خیز اور درد انگیز ہین، لیکن چونکہ اس زمانہ کی عیش و طرب کی مجلسین غزل کے ترانون سے گونج رہی تھین۔ اس لئے ان کا اثر عام نہین ہوا، جب صفویہ اور تیموریہ کا دور آیا تو شاعری نے ایک دوسرا قالب اختیار کیا، اور سنائی، نظیری، عرفی کی زور آوریون نے پرانی بنیادین مٹا کر نئی عمارتین قائم کین، اس زمانہ مین محتشم کاشی نے عام دستور کے موافق شاہ طہماسپ صفوی کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا طہماسپ کو خاندان رسالت سے عشقیہ نیازمندی تھی، اس بنا پر اس نے کہا کہ مین اس بات کو ہرگز پسند نہین کرتا کہ میری مدح مین قصائد لکھے جائین، شعرا کو ائمۂ اہلبیت کی شان مین طبع آزمائی کرنی چاہیئے، جس کا اصلی صلہ خدا کے دربار سے ملیگا اور دنیوی تمتعات دربار شاہی سے حاصل ہونگے، محتشم نے اس خواہش کے موافق آٹھ دس بندون کا ایک مرثیہ لکھا، جو درد و غم کی مجسم تصویر ہے، اور جس کا جواب آج تک نہو سکا اس مرثیہ کے چند بند یہ ہین،

مرثیہ محتشم کاشی

چون خون ز حلق تشنۂ او بر زمین رسید	جوش از زمین بہ ذروۂ عرش برین رسید
نخل بلند او چو خسان بر زمین زدند	طوفان بہ آسمان ز غبار زمین رسید
باد آن غبار چون بمزار نبی رساند	گرد از مدینہ بر فلک ہفتمین رسید
کرد این خیال وہم غلط کار۔ کان غبار	تا دامن جلال جہان آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذو الجلال
او در دل است و ہیچ دلی نیست بے ملال

ترسم جزاے قاتل او چون رقم زنند	یکبار بر جریدۂ رحمت قلم زنند

ترسم کزین گناه شفیعان روز حشر / دارند شرم کز گنهٔ خلق دم زنند
دست عتاب حق بدر آید ز آستین / چون اہلبیت دست بر اہل ستم زنند
آه از دمے که با کفن خونچکان ز خاک / آل علی چو شعلهٔ آتش علم زنند
فریاد از آن زمان که جوانان اہلبیت / گلگون قدم به عرصهٔ محشر قدم زنند
از صاحب حرم چه توقع کنند باز / آن ناکسان که تیغ بصید حرم زنند

پس بر سنان کنند سرے را که جبرئیل
شوید غبار گیسویش از آب سلسبیل

[ل] بر حربگاه چون ره آن کاروان فتاد / شور نشور واهمه را در گمان فتاد
هم بانگ نوحه غلغله در شش جهت فگند / هم گریه بر ملائک هفت آسمان فتاد
چندانکه بر تن شهدا چشم کار کرد / بر زخمهاے کاری تیغ و سنان فتاد
ناگاه چشم دختر زهرا درآن میان / بر پیکر شریف امام زمان فتاد
بے اختیار نعرهٔ هذا حسین ازو / سر زد چنانکه آتش ازو در جهان فتاد

پس با زبان پر گله آن بضعة البتول
رو در مدینه کرد که یا ایها الرسول

این کشتهٔ فتاده به هامون حسین تست / وین صید دست و پا زده در خون حسین تست
این غرقهٔ محیط شهادت که روی دشت / از موج خون او شده گلگون حسین تست
این خشک لب فتادهٔ ممنوع از فرات / کز خون او زمین شده جیحون حسین تست
این شاه کم سپاه که با خیل اشک و آه / خرگاه ازین جهان زده بیرون حسین تست
این قالب طپان که چنین مانده بر زمین / شاهِ شہید ناشده مدفون حسین تست

پس روے در بقیع به زهرا خطاب کرد
وحش زمین و مرغ هوا را کباب کرد

[ل] ایک بند اس سے پہلے کا چھوڑ دیا گیا ہے جسمیں یہ بیان ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد مخالفین اہلِ حرم کو بے عماری کے اونٹون پر سوار کرکے، شہدا کی لاشون کے سامنے سے لے گئے ۱۲

کاے مونس شکستہ دلان حال ما ببین — مارا غریب و بیکس و بے آشنا ببین
تنہاے کشتگان ہمہ در خاک و خون نگر — سرہاے سروران ہمہ بر نیزہا ببین
آن سر کہ بود بر سر دوش نبی مدام — یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین
وان تن کہ بود پرورشش در کنار تو — غلطان بخاک معرکۂ کربلا ببین
در خلد بر حجاب دو کون آستین فشان — واندر جہان مصیبت ما بر ملا ببین
نے نے درآ چو ابر خروشان بہ کربلا — طغیان سیل فتنہ و موج بلا ببین

یا بضعۃ البتول ز ابن زیاد داد
کو خاک اہل بیت رسالت بباد داد

محتشم کے مرثیہ کو اگرچہ حد سے بڑھکر حسن قبول حاصل ہوا، اور دربار شاہی سے صلہ اور انعام بھی ملا، لیکن تمام ملک مین قصیدہ اور مدح کا رنگ اس قدر چھایا ہوا تھا، کہ عام شعراپر اسکا چندان اثر نہین پڑا، طالب آملی، غزالی، میلی، سلیم، کلیم وغیرہ، شعراء متاخرین کے کلام مین اور سب اصناف سخن پائے جاتے ہین۔ لیکن مرثیہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ حاجی محمد جان قدسی نے اپنے بیٹے کا جو نوجوان مرگیا تھا، نہایت پردرد مرثیہ لکھا، لیکن نوبادۂ رسالت کے غم مین دو شعر بھی نہ لکھے۔ ظہوری نے البتہ بہت سے مرثیے لکھے، لیکن وہ اپنا دلی جوش نہ تھا، بلکہ ابراہیم عادل شاہ کی خوشامد تھی، چنانچہ اکثر مرثیون کے خاتمے مین ابراہیم عادل شاہ کا نام اس طرح آتا ہے جس طرح قصائد مین تشبیب کے بعد گریز۔

ایک بند کے خاتمہ کا شعر ہے ؎

سرکن ز روے صدق، ظہوری رہ دعا — از گفتگو دعاے شہنشاہ مدعا است

خود کہتا ہے کہ مرثیہ سے صرف بادشاہ کی دعا مقصود ہے۔

ایک اور مرثیہ کا خاتمہ ہے ؎

ایام از ان بہ کام حسینؑ و حسنؑ نہ بود	کان روز شہریار سریر دکن نبود

ایک اور موقع پر فرماتے ہین ؎

روزے کہ سرورِ شہدا بے سپاہ بود	ہنگام کارزار براہیم شاہ بود

اِس خوشامد کا کیا ٹھکانا ہے کہ حسین علیہ السلام کی ناکامیابی کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ مین بادشاہ دکن موجود نہ تھا۔

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی کی طرف خاص توجہ کی، اس نے مرثیہ ہی کو شاعری کا موضوع قرار دیا، نہایت کثرت سے مرثیے لکھے، اور بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات، ابتداے سفر سے لیکر اہل حرم کے قید ہونے، اور رہائی پاکر مدینہ مین آنے تک، سادہ طریقہ پر لیکن تفصیل کے ساتھ، ان مرثیون مین ادا کردیے۔ اُس کے مرثیون کو مرثیہ کی بہ نسبت تاریخ کہنا زیادہ موزون ہے۔ اس غرض کے لئے اُس نے ترکیب بند وغیرہ چھوڑکر مثنوی کا طریقہ اختیار کیا، اور مثنوی مین بھی قدیم معمولی بحرین اختیار نہین کین، بلکہ قصائد کی بحر انتخاب کی، تاکہ ہر قسم کے مطالب بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوسکین، اور سوزخوانی کے کام بھی آئین، کیونکہ مثنوی کی مروجہ بحرون مین سوزخوانی کے اُتار چڑھاؤ کی کھپت نہین ہوسکتی تھی۔

مقبل کے مرثیون مین اگرچہ وہ زور اور بندش کی چستی نہین ہے، جو اس دور کا خاصہ ہے لیکن درد اور تاثیر سے خالی نہین، نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعر لکھتے ہین ؎

مخدرات بہ عباسؑ در سخن بودند	برائے رفتن او در گریستن بودند
کہ از درون سراپردہ با فغان و خروش	سکینہ آمد و یک مشک خالی بردوش
دوان بخدمت عمّ بزرگوار آورد	چنان کہ اہل حرم را بزار زار آورد
بگریہ گفت کہ اے عمّ خوش قرینۂ من	رسید جان بلب از تشنگی زسینۂ من
چہ واقعست کہ رحمی بخلق دوران نیست	چہ شد کہ جرعۂ آبی درین بیابان نیست
چو دید حضرت عباسؑ بے قراری او	گسیخت بندِ دلش از فغان و زاری او

مقتل کے بعد ایران مین مرثیہ گویون کا ایک خاص گروہ پیدا ہوگیا، اور مرثیہ کے اور بہت سے اقسام پیدا ہوگئے، مثلاً نوحہ، پیش خوانی وغیرہ۔

ہندوستان مین مرثیہ گوئی کی ابتدا

ہندوستان مین شاعری کی ابتدا **ولی** سے ہوئی، ولی نے اگرچہ کربلا کے حالات مین ایک خاص مثنوی لکھی لیکن اسکے کلام مین مرثیہ کا پتہ نہین لگتا، یہ معلوم نہین کہ مرثیہ کی ابتدا کس نے کی لیکن اسقدر یقینی ہے کہ سودا اور میر سے پہلے مرثیہ کا رواج ہوچکا تھا۔ سودا نے اپنے شہر آشوب مین میان مسکین مرثیہ گو کا ذکر کیا ہے ؎

اسقاطِ حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا	پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہے

میر تقی صاحب کے دیوان مین اگرچہ کوئی مرثیہ نہین، لیکن مرثیہ اُنھون نے بھی کہا ہے۔ اُن کے ایک مرثیہ کا رد مرزا سودا نے لکھا ہے، جسکے چند شعر یہ ہین ؎

دلون پر محبون کے حالت عجب ہے
غرض کیا کہون کس وشن کا غضب ہے
کوئی دل نہین جس کو ماتم نہ ہوگا
یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہوگا
بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائے
شہِ تشنہ لب کا کسے غم سنائے

مصیبت ہے ماتم ہے غم ہے تعب ہے
حسین علی کی شہادت کی شب ہے
وہ دل دیر ہے جس مین یہ غم نہوگا
قیامت مین یہ کچھ نہوگا جواب ہے
یہ کشتی فلک کی لہو مین ڈبائے
یہ کس منہ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے

اسوقت تک مرثیے عموماً چو مصرع ہوتے تھے، غالباً سب سے پہلے سودا نے مسدس لکھا جو اُن کے دیوان مین موجود ہے، اردو مین مرثیہ کی وسعت اور ترقی کا یہ پہلا قدم تھا، کیونکہ چو مصرع مین اول سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے ہر قسم کے مطالب نہین ادا کئے جا سکتے تھے۔

میر انیس کے اس مصرع سے ؏ پانچوین پشت ہے شبیر کی مداحی مین، ثابت ہوتا ہے کہ میر ضاحک صاحب نے جو میر انیس کے پردادا اور سودا کے معاصر تھے،

اور میر حسن اُن کے بیٹے نے بھی مرثیہ لکھا ہے، لیکن ضاحک کا کلام تو سرے سے مفقود ہے، میر حسن کا دیوان مدت ہوئی مین نے دیکھا تھا، یاد نہین آتا، کہ اس مین مرثیہ بھی ہے یا نہین -

یہ امر تعجب سے خالی نہین کہ میر تقی، اور مرزا سودا جیسے قادر الکلام نے بھی مرثیہ کو چندان ترقی نہین دی، اور میر ضمیر تک یہ فن گویا ابتدائی ہی حالت مین رہا، چنانچہ سودا کے مسدس کا ایک بند ہم نقل کرتے ہین، جس سے اس زمانہ کی مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوگا ؎

کس سے اے چرخ کہون جا کے تری بیدادی
ہاتھ سے کون نہین آج ترے فریادی
جو ہے دنیا مین سو کہتا ہے مجھے ایذا دی
یان تلک پہونچی ہے ملعون تری بیدادی
کون فرزند علی پہ یہ ستم کرتا ہے
کیون مکافات سے اسکی تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اسکے تھے جتنے پیارے
اہل بیت اُس کے جو باقی ہین سو ہین آوارے
دشنہ و تیغ سے ہین ظالمون کے سب مارے
قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے
نہ انھین چین ہے دن کو نہ انھین رات آرام
اس مصیبت سے چلے جاتے ہین کربل سے شام

شاید یہ خیال ہو کہ اسوقت تک شعرا، مرثیہ کو محض ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور اسوجہ سے شاعرانہ طباعی اور زور آوری سے اجتناب کرتے تھے، ان کا مقصد صرف رونا رُلانا ہوتا تھا، جس کو شاعری سے تعلق نہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، مرزا سودا، میر تقی کے مرثیہ کی رد کی تمہید مین لکھتے ہین،

" لیکن مشکل ترین دقائق، طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا، کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ مین ربطِ معنی دیا، اس کام مین محتشم سا کسو نے عز قبول نہین پایا، پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے، نہ کہ برائے گریۂ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے "

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا مرثیہ کو مشکل ترین فنون سمجھتے تھے، اور اس کا مقصد محض گریۂ عوام نہیں قرار دیتے تھے۔

غرض اس زمانہ میں جو کچھ ترقی ہوئی وہ صرف اسقدر تھی کہ مرثیے چومصرع سے مسدس ہوگئے، سب سے پہلے جس شخص نے مرثیہ کو موجودہ طرز کا خلعت پہنایا، وہ میر ضمیر مرزا دبیر کے اُستاد ہیں، میر ضمیر کے مرثیے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، انھوں نے مرثیہ میں (میر ضمیر) جو جدتیں پیدا کیں، حسب ذیل ہیں -

۱- رزمیہ لکھا،

۲- سراپا ایجاد کیا،

۳- گھوڑے۔ تلوار۔ اور اسلحۂ جنگ کے الگ الگ اوصاف لکھے، اور یہی مضامین آج موجودہ مرثیوں کے مہمات موضوع ہیں،

۴- واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، چنانچہ ایک ایک جزئی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا،

۵- سب سے بڑھکر یہ کہ کلام میں زور، اور بندش میں چستی اور صفائی پیدا کی، غلط الفاظ جو مرثیوں کے لئے گویا جائز مان لئے گئے تھے اکثر ترک کر دیئے۔ اُن کے عمدہ کلام کا اگر انتخاب کیا جائے، تو میر انیس کا کلام معلوم ہوگا -

اب سے پہلے مرثیہ سوز کے لہجے میں پڑھے جاتے تھے، اب تحت لفظ کا بھی رواج ہوا اور غالبًا پہلا شخص جسنے ممبر پر بیٹھکر تحت لفظ پڑھا میر ضمیر صاحب تھے، نئی تشبیہات لطیف استعارے۔ مبالغہ۔ واقعہ نگاری۔ مناظر قدرت کی تصویر۔ غرض میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کے جس قدر محاسن ہیں، ضمیر کے ہاں سب پائے جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ میر ضمیر کے ہاں ان کا رنگ ہلکا تھا، ان دونوں صاحبوں نے شوخ کر دیا۔ میر ضمیر کے ہر نمونہ کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں -

جاکے میدان میں کس طرح یہ محبوب لڑے
یہ تو کہئے کہ غلام آپ کے کچھ خوب لڑے (روزمرہ اور صفا)

چاہتا تھا کہ کرون ضبط پہ چپ رہتا تھا ۔۔۔ پوچھو اکبر سے مین ہر ہاتھ پہ کیا کہتا تھا
پھیر کر فوج کو اس پار سے اُس پار گئے ۔۔۔ مین نے خود دیکھا کہ دریا پہ کئی بار گئے
پانی تو پی نہین حیدر کے نواسے آئے
بولے عباس کہ پیاسے گئے پیاسے آئے

قریب جاتے ہی ہندہ نے اُن کا تھاما ہات ۔۔۔ کہا سلام علیک اے ضعیفہ نیک صفات
وہان سے لائے اُٹھا کر تو پھر کہی یہ بات ۔۔۔ سمجھ مین کچھ نہین آتے ہین آپ کے حالات
وہ روشنی ہین بغور اُن کے مُنہ کو تکتی تھی
اگرچہ قصد تھا ۔ پر کچھ وہ کہہ نہ سکتی تھی

کہا یہ ہندہ نے کچھ مین نے تم کو پہچانا ۔۔۔ کہین سے ہے شہر مدینہ مین ظاہرا دیکھا
محلہ ہے وہان مشہور آل ہاشم کا ۔۔۔ ہمیشہ آمد و شد تھی غرض مری اُس جا
ضرور دیکھا ہے آل عقیل و جعفر مین
ویا جناب رسالتمآب کے گھر مین

سوا اس کلام سے مطلب ہے یہ خدا ہی گواہ ۔۔۔ جناب فاطمہؑ کے گھر مین ہے تمھین کچھ راہ
خصوص زینبؑ و کلثومؑ سے بھی ہو آگاہ ۔۔۔ ہین دونون بیبیان شہزادیان مری واللہ
وہ سب تو ایک طرف پر امام اچھے ہین
کہو حسین علیہ السلام اچھے ہین

پنہان زرہ مین ہوتی تھی اس طرح سے سنان ۔۔۔ بجلی چمک کے ہوتی ہے جون ابر مین نہان
اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو یہ گمان ۔۔۔ تھا اژدہا ہے موسیٰ عمران کی وہ زبان

نیزہ کی یہی تشبیہ ہے جس کو میر انیس صاحب نے زیادہ لطیف اور صاف کردیا ہے،
چنانچہ کہتے ہین ع گویا زبان نکالے ہوے اژدہا چلا،
میر انیس نے اسی سے دو نیزون کے باہم ٹکرانے کا مضمون پیدا کیا، اور اس لطف کو

دو بالا کر دیا ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے '

تھا دیدۂ حیران، ہر اک زخم بدن مین | میر ضمیر | انگشت تاسف تھی زبان سب کے دہن مین

گھوڑا وہ تیز رو ہے کہ ناگاہ ایک بار | | اتنا کہا تھا وہم نے ہان چل تو ایک بار

دونون نے ہم عنانی و سرعت کی اختیار | | آخر کہان وہ اور کہان وہم ہرزہ کار

کچھ کچھ تو ساتھ ساتھ وہ مقدور بھر گیا
پھر یہ خبر نہین کہ کہان تھا کدھر گیا

اسی زمانہ مین میر خلیق صاحب نے مرثیہ کے فن کو بہت ترقی دی، میر انیس صاحب اُن کے بیٹے جا بجا اپنے مرثیون مین اُن کی فصاحت اور روزمرہ کا ذکر کرتے ہین، ایک بند مین اپنے روزمرہ پر ناز کرتے ہین، اور کہتے ہین ع حقا کہ یہ خلیق کی ہے سر بسر زبان، میر خلیق کے ایک سلام کا مطلع و مقطع مشہور ہے ؎

مجرائی طبع کُند ہے لطف بیان گیا | | دندان گئے کہ جوہر تیغ زبان گیا

گذری بہار عمر خلیق اب کہین گے سب | | باغ جہان سے بُلبل ہندوستان گیا

اِن اشعار سے قیاس ہوتا ہی کہ میر خلیق نے میر ضمیر سے کچھ کم اس فن پر احسان نہین کیا ہوگا، لیکن افسوس ہی کہ اُن کا کلام نہین ملتا، میر نواب صاحب نامی ایک بزرگ نے جو میر خلیق کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے، سنہ ۱۲۹۰ھ مین بمقام گلبرگہ، حیدرآباد دکن، ایک مجموعہ چھاپا تھا، جس مین میر خلیق۔ مونس۔ اور انیس کے چند مرثیے جمع کیے تھے، اس مین میر خلیق کے متعدد مرثیے ہین لیکن اکثر وہ ہین جو آج میر انیس کے نام سے مشہور ہین، اور جو میر انیس کے چھپے ہوے مرثیون مین شامل ہین، بعض ایسے ہین جو مطبوعہ مرثیون مین شامل نہین، لیکن زبان اور طرز ادا سے قیاس ہوتا ہی کہ میر انیس ہی کے نتائج فکر ہین اور اگر وہ واقعی میر خلیق کا کلام ہی، تو بیٹے کو باپ پر ترجیح کی کوئی وجہ نہین۔

چند نمونے ملاحظہ ہون ؎

مرتا ہے باپ، ای علی اکبر! ابھی نہ جا | دل مانتا نہیں مرے دلبر ابھی نہ جا
اے لال اسوے نیزۂ و خنجر ابھی نہ جا | ہے ہے نہ جا شبیہ پیمبر ابھی نہ جا
مضطر ہوں چین آئے یہ آتا نہیں مجھے
رونے میں منہ ترا نظر آتا نہیں مجھے

ماتھے کو چومتے تھے کبھی اور دہن کبھی | تکتے تھے سوئے زلف شکن در شکن کبھی
روتے تھے لیکے بوسۂ سیب ذقن کبھی | یوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیرہن کبھی
ملتے تھے خشک ہونٹھ لب گلعذار سے
سینہ پہ رکھتے تھے کبھی منہ اپنا پیار سے

فوجوں کا ہجوم

پیاسے پہ مثل ابر امنڈ آئے دل کے دل | شعلے صفت چمکنے لگے برچھیوں کے پھل
چلوں میں تیر رکھ کے بڑھے دم دیے کے بل | تیغیں اُٹھی ہوئیں جو کھنچیں ہٹ گئی اجل
دن کو سیاہی شب ظلمات ہو گئی
کھولے نشان شامیوں نے رات ہو گئی

تلوار

موجیں زرہ، حباب ہیں سر اس کے سامنے | شق ہیں بہادروں کے جگر اسکے سامنے
رکھتی ہے کیا بساط سپر اس کے سامنے | تھکتے ہیں جبرئیل کے پر اس کے سامنے
ماریں کمر کا ہاتھ اگر پاؤں گاڑ کے
دو ٹکڑے آسیا کی طرح ہوں پہاڑ کے

فوج کی بدحواسی

حیران تھے کب حسام سے کاٹھی جدا ہوئی | ترکش میں ڈھونڈتے تھے کہ تلوار کیا ہوئی

میر انیس

میر انیس تقریباً سنہ ۱۲۱۸ھ میں پیدا ہوئے، انھوں نے مرثیہ کو جو ترقی دی اسکی تفصیل آگے آئیگی۔ یہاں جو باتیں کہنے کے قابل ہیں یہ ہیں۔

۱۔ میر انیس کا خاندان دلی کا خاندان تھا، اگرچہ اُن کے پردادا میر ضاحک دلی سے چلے آئے تھے، اور فیض آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی، تاہم دلی کی جو خصوصیات تھیں وہ

وہ اخیر تک اس خاندان مین قائم رہین، میر انیس اکثر موقعون پر ناز کے لہجہ مین کہتے تھے، صاحبو، ارباب لکھنؤ اس طرح نہین بولتے، یہ میرے گھر کی زبان ہے" اسی بنا پر جابجا جگہ کو "جاگہہ" لکھا ہے، اور یہ صرف تحریری زبان نہین، وہ یون ہی بولتے بھی تھے، مین نے اپنے معزز دوستون سے، جو میر صاحب کی صحبتون مین اکثر شریک رہا کئے ہین، سُنا ہے کہ جب کبھی لوگ اُن کی مجلس مین صفِ نعال مین آکر بیٹھ جاتے تھے تو فرماتے تھے، صاحبو! جاگہہ ادھر ہے، افعال کو فاعل کی مطابقت سے جمع لکھنا بھی دہلی ہی کا اثر ہے مثلاً ع جلدی مین گو جوانون نے چوٹین بچائیان ـ

۲ ـ میر صاحب نے شاعری میراث مین پائی تھی، اُن کے مرثیے جو خاص جوہر ہین وہ میراث ہی کی یادگار ہین، اُن کے دادا میر حسن گو غزل بھی کہتے تھے، لیکن جس چیز نے اُن کو عالم شہرت کا تاجدار بنایا، وہ اُن کی مثنوی بدر منیر ہے" اس مثنوی کا خاص وصف واقعات، اور کیفیات کا سین دکھانا ہے۔ وہ جس واقعہ یا حالت کو لکھتے ہین، اس کا سمان باندھ دیتے ہین ـ

میر انیس کے مرثیون مین واقعات اور کیفیات کی تصویر کھینچ دینے کی جو خصوصیت ہے، دادا کی میراث ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ میر حسن، واقعہ نگاری کی وسعت مین ابتذال اور عامیانہ بول چال کی پروا نہین کرتے، میر انیس نے واقعہ نگاری اور مصوری کے ساتھ، بندش کی چستی، اور خواص کی طرز گفتگو کی خصوصیت بھی قائم رکھی، اور یہ قادر الکلامی کی انتہا ہے ـ

۳ ـ میر حسن صاحب غزل گوئی مین اگرچہ سودا اور میر درد کے شاگرد تھے، لیکن سودا کا پرتو اُن پر نہین پڑا، صرف میر درد کا رنگ ہے، یعنی روزمرہ، صفائی، گھلاوٹ، اور درد، یہی باتین میر انیس صاحب کے ہان بھی ہین، جو لوگ کہتے ہین کہ میر انیس صرف بین لکھنا جانتے ہین، اس جھوٹ مین سچ بھی ہے، یعنی بین، رزم سے بہتر لکھتے ہین، یہ وہی خصوصیت ہے، جو دادا سے ترکہ مین ملی ہے ؎

۴ - میر انیس کی شاعری کے متعلق یہ مسئلہ نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے کہ مرزا دبیر کی رقابت اور مقابلہ نے اُن کے کلام پر کیا اثر پیدا کئے، اگر یہ پتہ لگ سکتا، کہ دونون حریفون مین سے اول کس نے میدان شاعری مین قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے، بلکہ خاص خاص بند جو دونون کے ہان قریب المعنی پائے جاتے ہین، اول کس نے کہے، تو شاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہوجاتے۔ لیکن افسوس ہے کہ باوجود بہت سی جدوجہد کے اس بارہ مین مجھکو کامیابی نہین ہوئی۔

دونون حریفون کے مرثیون کو دیکھو، تو صاف نظر آتا ہے، کہ ایک نے دوسرے کے کلام کو سامنے رکھکر لکھا ہے، لیکن زمانہ کے تقدیم و تاخیر کے نہ معلوم ہونے سے یہ نہین متعین ہوتا کہ ایجاد کا فخر کس کو ہے، اور کس نے کس سے کیا اثر لیا ہے، میر انیس جابجا فخریہ شعرون مین اس بات کا اشارہ کرتے ہین، کہ اُن کے حریف اُن کے کلام سے فائدہ اُٹھاتے ہین، مثلاً ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار	خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو
نو اسنجیون نے تری اے انیس	ہراک زاغ کو خوش بیان کر دیا
ملتی نہین دزدان معانی سے نجات	سچ ہے کہ گمس سے کب شکر بچتی ہے

اِن چوٹون کو سنکر مرزا دبیر صاحب برابر کا جواب نہین دیتے، یعنی یہ نہین کہتے کہ مین نہین، میرا حریف سرقہ کرتا ہے، بلکہ صرف تبرّی کرتے ہین کہ مین اس جرم کا مرتکب نہین، چنانچہ فرماتے ہین ؎

شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون
ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے	یعنی بری ہون سرقہ مضمون غیر سے

اِس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے، میر انیس، میرزا صاحب کے مقابلہ کا قصد نہین کرتے تھے، اور اُن کے مرثیون کا جواب لکھنا نہین چاہتے تھے، ورنہ میرزا صاحب

ضرور اس کا اشارہ کرتے، اسکے ساتھ جب بعض مرثیون سے صاف ثابت ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ پر لکھے گئے ہین، تو خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ مقابلہ اور ہم طرحی و مسابقت کی کوشش میرزا صاحب ہی کی طرف سے ہوتی تھی، میر انیس نے اسی کی طرف ایک موقع پر اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہین ؎

اٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو	بھلا ترددِ بیجا سے اس مین کیا حاصل

جن مرثیون یا اشعار یا مضامین مین تقابل یا توارد ہے ان کی تفصیل آگے آئیگی، اور وہان اس تمہیدی بحث کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۵ - میر انیس کا جو کلام موجود ہے ۵ جلدون مین شائع ہوا ہے، لیکن میر صاحب کے متوسلین کا خاص دعوی ہے کہ ان مرثیون مین بہت کچھ تحریف، اور غلط ہوا ہے۔ مولوی عبد الغفور نساخ نے ایک رسالہ مرزا دبیر اور میر انیس کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا، اس کا جواب میرزا محمد رضا تخلص بمعجز، شاگرد ناسخ نے لکھا، جس کا نام تطہیر الاوساخ ہے، اور جو ۱۲۹۶ھ مین شعلہ طور کانپور مین چھپا تھا، اس کے دیباچہ مین میرزا رضا صاحب لکھتے ہین۔

"ثانیًا یہ بات بھی کالنار علی العلم ہے کہ اکثر تلامذۂ میر صاحب و مرزا دبیر صاحب نے بلحاظ اپنے پڑھنے کے اکثر تصرفات بہ تغیر و تبدل الفاظ و مصرعہ و بند کے کئے ہین، بہ نظر اختصار کسی مرثیہ کے کچھ بند نکال ڈالے، اور کہین درمیان مرثیہ مین کوئی مطلع یا بند ایجاد کرکے الحاق کیا تاکہ وہین سے پڑھنا شروع کرین، کہین بغرض لگا دینا، مضامین مُبکیہ موزون کرکے شامل مرثیہ کئے، کہین الفاظ مین موافق اپنے فہم و سلیقہ کے کمی و بیشی کی، یا مشتاقین نے جو مرثیہ جدید زبان سے ان صاحبون کی مجلس مین سنا خفیہ تحریر کیا، اور جو الفاظ یا مصرع بہ سبب عجلت تحریر یا عدم سماعت کے رہ گئے، انکی تکمیل بطور خود کی، اس باعث سے کہ نقل مرثیۂ جدید و نو تصنیف کا دستیاب ہونا شاعرین سے غیر ممکن تھا، پس جو کچھ کہ مرثیہ اُن کے تلامذہ کے پاس ہین، ان مین اکثر کا لا اصل نہین ہین، تغیر و تبدُّل۔

اضافہ و نقصان اُن مین بہت ہے، اور انھین مرثیون کی نقل وہ مرثیے ہین جو مطبوع ہوئے ہین، پس مراثی مطبوعہ من قبیل بناء الفاسد علی الفاسد ہین "

اس بنا پر میرزا رضا صاحب نے میر نفیس صاحب سے جو میر انیس کے فرزند رشید تھے، مطبوعہ مرثیون کی تصحیح کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے -

یہ مرثیہ ع اے تیغ زبان جوہر تقریر دکھا دے، اس مصرعہ تک، ملنے لگے آنکھین قدم سرور دین پر، میر صاحب کا کلام ہے، باقی ۱۴۵ سے لیکر ۱۵۵ تک اور مقطع کے دو اول مصرعے سب الحاقی ہین -

یہ مرثیہ ع دشت وغا مین نور خدا کا ظہور ہے، ستر بند تک یعنی اس ٹیپ تک مصرع چھاتی کے پار نیزہ کی نوکین نکل گئین، میر صاحب کا کلام ہے، باقی الحاقی ہے، یہ شعر

"لپٹون گلے سے مین پدر نا توان کے	سینہ سے تو سرک تو مرے بابا جان کے"

الحاقی ہے -

میرزا رضا صاحب نے اور بہت سے اعتراضات کے جواب مین جو خاص خاص الفاظ یا تراکیب پر تھے اُن الفاظ اور تراکیب سے انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ اصل مرثیہ مین یون نہین یون ہے، چونکہ اس قسم کے الفاظ نہایت کثرت سے تھے اس لئے ہم انکو قلم انداز کرتے ہین، ناظرین چاہین تو اصل رسالہ کو ملاحظہ فرمائین -

ہم کو اس سے انکار نہین کہ مطبوعہ مرثیے نہایت غلط چھپے ہین، لیکن میرزا رضا صاحب نے تو یہ غضب کیا ہے، کہ جہان کوئی لفظ محاورۂ حال کے خلاف نظر آیا، اس کے وجود سے انکار کر دیا، حالانکہ یہ تعمیم صحیح نہین - میر انیس نے بہتر برس کی عمر پائی، ان کی ابتداء مشق مین قدیم محاورے اور غلط الفاظ نہایت کثرت سے متداول تھے، اور شعراء بے تکلف اُن کو استعمال کرتے تھے، شیخ ناسخ نے البتہ اس قسم کے تمام الفاظ کو ترک کر دیا تھا، لیکن جو لوگ اپنے تئین دلی کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ ان الفاظ اور محاورات کو وطن کی یادگار سمجھتے تھے،

چنانچہ غالب و ذوق جو خاتم الشعرا ہین ان کے ہان وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہین جن کو شیخ ناسخ مدتون سے چھوڑ چکے تھے، مثلاً میرزا غالب فرماتے ہین۔

ع کشمکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھ پہ عاشق ہین ۔

حالانکہ اس قسم کی جمع ایک مدت سے متروک ہے، اس قسم کے الفاظ میر انیس کے ہان بھی ہین، اور کثرت سے ہین، لیکن وہ ابتدائی مشق کے ہین، ورنہ شیخ ناسخ کے اثر، یا خود مذاق کے بدلنے سے، جس قدر زمانہ گذرتا گیا، میر صاحب قدیم مخصوص الفاظ اور تراکیب چھوڑتے گئے۔

میر انیس کی شاعری کی خصوصیات

اب ہم تفصیل کے ساتھ میر صاحب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہین،

فصاحت

فصاحت علماے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین، آن مین تنافر نہو، الفاظ نامانوس نہون، قواعد صرفی کے خلاف نہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے، اور جونکہ آوازین بعض شیرین، دلآویز، اور لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطے و بلبل کی آواز، اور بعض مکروہ و ناگوار مثلاً کوے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین۔ بعض شستہ سبک شیرین، اور بعض ثقیل بھدے، ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہین اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر و تقریر مین آن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کئے جاتے ہین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، آن کو فن بلاغت کی اصطلاح

ہین غریب کہتے ہین، اور اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین -

میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ اُنھون نے اُردو شعراء مین سے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کئے اور سیکڑون مختلف واقعات بیان کرنے کی وجہ سے، ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُن کو استعمال کرنے پڑے، تاہم ان کے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پائے جاتے ہین۔ اکثر جگہ عربی، فارسی، کے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین ضرورت سے لانے پڑے ہین لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آئے ہین فارسی ترکیبون کے ساتھ آئے ہین، جس سے ان کی غرابت کم ہوگئی ہے، ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب مین ان الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا۔ مثلاً انگشتری، خاتم، رُخ، بادہ، ثنا، حسن، اور اس قسم کے سیکڑون، ہزارون الفاظ ہین، جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین ان کا استعمال نہین ہوتا۔ میر ضمیر ایک موقع پر کہتے ہین ع ذریت رسول کی خاطر جلائی نار نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے، لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی -

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے، بعض الفاظ فصیح ہین، بعض فصیح تر بعض اس سے بھی فصیح تر، میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈھونڈھ کر لاتے ہین۔ میرزا دبیر، اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو، اگر میرزا صاحب کے ہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو ان کے مقابلہ مین میر صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے اور اگر میرزا صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب کے ہان فصیح تر ہونگے، میرزا دبیر کی تخصیص نہین، تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس کے کلام کا یہی حال ہے -

ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین۔ جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہو سکے گا -

میرزا دبیر	ع	کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین
میر انیس	ع	سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین
میرزا دبیر	ع	آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو
میر انیس	ع	آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو
میرزا دبیر	ع	رویا مین بھی حسینؑ کو رویا ہی کرتے ہین
میر انیس	ع	حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے
میرزا دبیر	ع	جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
میر انیس	ع	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

ابتذال

فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ، آسان، کثیر الاستعمال ہو، اس لئے لوگ مبتذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین، حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق ہے، میرزا دبیر صاحب جہان واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین، اکثر ان کے کلام مین مبتذل الفاظ آجاتے ہین۔ مثلاً جہان حضرت شہربانوؑ نے حضرت عباسؑ کی لاش پر نوحہ کیا ہے، شہربانوؑ کی زبان سے فرماتے ہین ع ہے ہے مرے دیور مرے دیور مرے دیور ۞ ایک اور جگہ فرماتے ہین ع ناڑہ تو انکی سالگرہ کا نکال لا ۞

ابتذال کی صاف اور بین مثال نظیر اکبر آبادی کلام ہے، اگر یہ مینر نہ ہوتا تو سادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میر انیس یا میر تقی سے ٹکر کھاتا۔

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ مبتذل ہین لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا، ابتذال کا معیار مذاقِ صحیح کے سوا اور کوئی چیز نہین، مذاق صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل، پست اور سوقیانہ ہے۔

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادر الکلامی ہے کہ پھر بھی اُن کی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبہ نہین آنے پاتا۔

کلام کی فصاحت۔ یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے اُن کی ساخت، ہیئت، نشست، سُبکی اور گرانی کے ساتھ اُس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی۔ قرآن مجید مین ہے "ماکذب الفواد مارأی" فواد اور قلب دو ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجاے قلب کا لفظ آئے تو خود یہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا، جسکی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجاے خود فصیح ہے لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین اُنکی آواز کا تناسب قلب کے لفظ کے ساتھ نہین ہے۔

میر انیس کا مصرعہ ہے ع فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور۔ صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین، میر انیس نے جابجا ان دونون لفظون کو استعمال کیا ہے اور ہم معنی ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجاے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائے گا، میر صاحب کا ایک شعر ہے ؎

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین	جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

یہان جنگل کے بجاے صحرا لاؤ تو مصرعہ کا مصرعہ پھس پھسا ہو جاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین، لیکن میر صاحب کے اس شعر مین ؎

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا	تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجاے شبنم کا لفظ لایا جائے تو فصاحت خاک مین مل جائے گی۔

لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے اس مصرعہ مین ع شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے -

شبنم کے بجاے لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی -

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اس لیئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب پا جائے، اُن آوازون سے اُس کو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سرون کو ترکیب دینا ہوگا، نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سرون کا نام ہے؛ ہر سر بجاے بجاے خود دلکش اور دلاویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سرون کو باہم ترکیب دے دیا جائے تو دونون مکروہ ہو جائین گے -

راگ کے دلکش اور موثر ہونے کا گُر یہی ہے کہ جن سُرون سے اُسکی ترکیب ہو اُن مین نہایت تناسب اور توازن ہو -

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صورت اور سُر ہین اس لئے اُن کی لطافت، شیرینی اور روانی، اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی لَے مین اُن کے مُناسب ہون -

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے ع زیر قدم والدہ فردوس برین ہے -

اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی زیر - قدم - والدہ - فردوس - برین - سب بجاے خود فصیح ہین لیکن اُن کے باہم ترکیب دینے سے، جو مصرعہ پیدا ہوا ہے وہ اسقدر بھدا اور گران ہے کہ زبان اُسکا تحمل نہین کر سکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہو گئی ہے، اس لیے ثقل پیدا ہو گیا ہے لیکن یہ صحیح نہین سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا - مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہین ؎

مین ہون سردارِ شباب چمنِ خُلدِ برین	مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمد کا مکین

پہلے مصرعہ مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالی اضافات بھی موجود ہے - لیکن یہ بھدا پن اور

ثقل نہین ہے۔

جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق پایا جاتا ہے، اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجاے خود بھی فصیح ہوتے ہین تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، اور یہی چیز ہے جسکو بندش کی صفائی نشست کی خوبی، ترکیب کی دلاویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین۔ یہی چیز ہے جسکی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین ؎

آن را کہ خوانی اُستاد گر بنگری بتحقیق		صنعت گرست اما شعر روان نہ دارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے۔ میر انیس حضرت علی اکبرؑ کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین ع

تھا بُلبُلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین ؎

اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اس طرح ادا کرتے ہین ع

بُلبُل چہک رہا تھا ریاضِ رسولؐ مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترتیب کی ساخت نے دونون شعرون مین کسقدر فرق پیدا کر دیا ہے۔

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور اُن کا ہر شعر اس وصف کا مصداق ہے، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون		قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دون		کانٹون کو نزاکت مین گلِ تر سے ملا دون

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

ولہ

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسؑ خوش خصال
غازی کو شیر حق کی طرح آ گیا جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال
اب یاں سے ہمکو کوئی ہٹا دے یہ کیا مجال
حملہ کریں چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسمان سمیت اُلٹ دیں زمین کو

تھا فوج قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر
تھیں موج کی طرح سب اُدھر کی صفیں اِدھر
چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور
پانی میں تھے نہنگ، ابھرتے نہ تھے مگر
فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدار نوجوان
تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشان
گوشہ اماں کا ڈھونڈھ رہی تھی ہر اک کمان
ترکش بھی تھے ہراس سے کھولے ہوئے زبان
تیروں کا پیکان تھا ارادہ گریز کا
منہ کند ہو گیا تھا ہر اِک تیغ تیز کا

آگے چل کر کہتے ہیں ؎

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
بیعت اُنھیں تو صلح ہمیں بھی نہیں قبول
غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول
لیجو نہ منہ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ
سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گُدّی سے کھینچ لونگا زبان دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے ترا وہ امیر شام
کرتے ہیں بادشاہ کہیں، بیعتِ غلام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام
او بے ادب یزید کجا! اور کجا امام!!
دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

ماتم ادھر تھا جشن مین تھے اہل شر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر
ولہ
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر

غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جوان ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہین کوئی تو وغا کو خود آئیے
زخم سنان و خنجر و شمشیر کھائیے
حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
گرمی بڑی ہے آج لہو مین نہائیے

آمادہ ہم تو دیر سے بہر ستیز ہین
تیغین بھی ہین اُبی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

صابر بڑے ہین آپ تو یا شاہ انس و جان
رونے سے جی اُٹھینگے نہ عباسؑ نوجوان
اک بھائی کے فراق مین یہ نالہ و فغان
حضرت پکارتے ہین کسے بھائی اب کہان

ملتا ہے کب جہان مین بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے ۔ وہ شیر مر گیا

اکبرؑ نے کی غضب کی نظر سوے فوج شام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام
کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
سُنتے ہین آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

خون اب تو جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے
ولہ
اکبرؑ ادھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے

روکے کسے جواب کسے دے کدھر پھرے
ولہ
بجلی کے ساتھ ساتھ کہان تک سپر پھرے

سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا
ولہ
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔ ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل

مفعول، مبتدا، خبر، متعلقات فعل جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین، یہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے۔ اگرچہ اس مین شبہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے۔ صرف ایک آدھ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً سعدی کے یہ اشعار ؎

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشین در من اثر کرد	وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اسکو نثر کرنا چاہین تو نہ ہوسکے اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہر حال اُسکے قریب قریب پہونچ جائے جس قدر اُس کا لحاظ رکھا جائیگا اُسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، ڈھلا ہوا ہوگا۔ اور اُردو مین جہانتک ہم کو معلوم ہے یہ صفت میر **انیس صاحب** سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

صغریٰ حضرت امام علیہ السلام سے کہتی ہین۔ ؎

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت	تپ کی بھی ہر شدت مین کئی روز سے خفت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت	پانی کی بھی خواہش ہر غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

صغریٰ نے کہا آپ کی باتون کے مین قربان	ولہ	تم جان بچالو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی میری مشکل کرو آسان		جیتی رہی صغریٰ تو نہ بھولیگی یہ احسان

کچھ بات بجز گریۂ و زاری نہین کرتین
امان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

حضرت زینبؑ حضرت عباسؑ سے فرماتی ہین ؎

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا الحقین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

حضرت امام علیہ السلام یزیدیون سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین ؎

مجھ کو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جو ڑے ہین جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیون نبی زادہ پہ غربت مین جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہین یہ ظلم برا کرتے ہو

شمع ایمان ہون اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم مین الٹ جائے گا

خولی امام علیہ السلام کی فوج کی حالت، ابن سعد سے بیان کر رہا ہے ؎

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر
کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
ہین ان مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دار و گیر

کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھون کی طاقت دکھائینگے
ان سے تو تیغے بھی سنبھالے نہ جائینگے

کیا جانے دل مین سوچ کے تھے کیا شاہ کربلا
مقتل مین کھینچ کر انھین لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا

کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
ان کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

اس قسم کے اور ہزارون اشعار ہین آگے مختلف موقعون پر جو اشعار نقل کیے جائینگے ان مین اور دوسری خوبیون کے ساتھ یہ خصوصیت بھی اکثر نظر آئے گی -

روزمرہ اور محاورہ - جو الفاظ اور جو خاص ترکیبین اہل زبان کے بول چال

مین زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہین، اُن کو روزمرہ کہتے ہین، روزمرہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہی۔ یہ ظاہر ہو کہ عام بول چال مین وہی لفظ زبان پر آئین گے جو سادہ، صاف اور سہل الادا ہون، اور اگر اُن مین کچھ ثقل اور گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھ کر صاف ہوجاتے ہین۔ ابوالعلا معرّی ایک مُلحد شاعر تھا، اُس نے قرآن مجید کا جواب لکھا تھا۔ لوگون نے اُس سے کہا کہ گو یہ کلام بلیغ ہے، لیکن اِس مین قرآن مجید کی سی روانی اور صفائی نہین پائی جاتی، اُس ملعون نے کہا ہان ابھی تو نہین، لیکن جب دوچار سو برس نمازون مین منجھ کر صاف ہوجائیگا تو روانی آجائے گی۔

غرض روزمرہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے۔ میر انیس کے کلام مین نہایت کثرت سے روزمرہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے، اور اس پر اُن کو ناز بھی تھا چنانچہ فرماتے ہین ؎

	مرغان خوش الحان چمن بولین کیا ؟	
	مرجاتے ہین سُن کے روزمرّہ میرا	

چونکہ میر انیس کا کوئی کلام روزمرّہ سے خالی نہین ہوتا، اس لئے ہم نمونہ کے طور پر صرف دوچار مثالین نقل کرتے ہین ؎

حشر تک خلق مین یہ ذکر غم انگیز رہا		تو تو بچپن کے غلامون سے بھی کچھ تیز رہا
تعریف کرین ڈر کے تو خرسند نہونا		اعدا سے کسی بات مین تم بند نہ ہونا
زینبؑ نے کہا جسمین رضائے شہ عالی		مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

	صدقے کئے فرزند پھوپی سوگ نشین ہے	
	سمجھین تو میرا حق ہی نہ سمجھین تو نہین ہے	

زندہ نہ محمدؐ ہے نہ اب عونؑ ہے بیٹا !		تم بھی جو نہ پوچھو تو مرا کون ہے بیٹا !

خادم جدا نہ تھا شہ گردون سریر سے	ولہ	کس جرم پر حضور خفا ہین حقیر سے
کسکی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا۔؟	ولہ	بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا
کہتے تھے راہ مین نہ کہ وارا اپنا چل گیا	ولہ	افسوس ہو کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال | حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہو کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ ادا کیے جائین۔

لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین۔ مہیب، پُر رعب، سخت، نرم، شیرین، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین۔ بعض نرم، شیرین اور لطیف ہوتے ہین۔ بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے، بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے، اسی بنا پر غزل مین سادہ، شیرین، سہل اور لطیف الفاظ استعمال کئے جاتے ہین۔ قصیدہ مین زور اور شان دار الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح رزم، بزم، مدح و ذم، فخر، و ادعا، وعظ و پند، ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین، شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین۔ اور یہ اُن کے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے، لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین مین ایک ہی قسم کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہین، اُن کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے بالکل بے اثر ہوتا ہے۔ یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم اور فردوسی سے بزم نہین نبہ سکتی۔

میر انیس صاحب نے رزم، بزم، فخر، ہجو، نوحہ، سب کچھ لکھا ہے۔ لیکن جہان جس قسم کا موقع ہوتا ہے، اُسی قسم کے الفاظ اُن کے قلم سے نکلتے ہین، رزمیہ فخر لکھتے ہین تو فرماتے ہین ؎

طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآب کی	رکھدون زمین پہ چھیر کے ڈھال آفتاب کی

جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین ؎

کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے	نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے
کیا جانے کسنے روکدیا ہے دلیر کو	سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

تھا یہ بپھرا ہوا عباس مرا شیر جوان	سینۂ حر پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو	روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

دیکھو! ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین، جس طرح اُن کے مفہوم مین غیظ و غضب ہے اسی طرح، الفاظ کی صوت و لہجہ سے بھی، ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔

بحرون کا انتخاب اور حسن قافیہ و ردیف

شعر کی دلاویزی اور دلفریبی کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ ہر مضمون کی مناسب بحرین اختیار کی جائین، فردوسی کی اسی غلطی نے اسکے یوسف زلیخا کو مقبول عام ہونے سے محروم رکھا۔

شاہ نامہ کی بحر رزم کے لئے مخصوص ہے، فردوسی نے عشقیہ واقعات بھی اسی بحر مین ادا کرنے چاہے اور اسوجہ سے ناکام رہا میر انیس سے پہلے مرثیے، اکثر بڑی بڑی بحرون مین لکھے جاتے تھے، مثلاً

ع جب مشک بھر کے نہر سے عباس غازی گھر چلے

ع آپ تو جیتے رہے بابا کا سر کٹوا دیا،

یا نہایت چھوٹی بحرون مین

ع یہ کس منہ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے!

میر صاحب نے تین چار بحرین خاص کرلین جن مین چند خصوصیتین پائی جاتی ہین،

ا۔ رزم، بزم، دونون کے لئے موزون تھین، مثلاً یہ بحر حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرِ ذیجاہ چلی ۔

۲ - فقرون کی ترکیب اُن مین خواہ مخواہ چیست ہو جاتی ہے مثلاً یہ مصرع

ع قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون '

۳ - کانون کو خوش ..... معلوم ہوتی ہین -

قدیم مرثیون مین ردیف کا بہت کم التزام ہوتا تھا، قافیہ ہی قافیے ہوتے تھے، میر صاحب نے ردیف کا گویا التزام کر لیا - آج کل جو لوگ انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید کرتے ہین وہ تو سرے سے قافیہ ہی کو بیکار کہتے ہین ردیف کا کیا ذکر ہے، شاید انگریزی زبان کی ساخت اسی قسم کی ہو، جیسا کہ عربی مین ردیف نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، لیکن فارسی اور اُردو مین تو ردیف تال اور سم کا کام دیتی ہے، جس طرح راگ مین تال نہو تو بدمزا ہے، یہی حالت اُردو شعر کی ہے، البتہ ردیف کے التزام کے لیے بہت بڑا قادر الکلام ہونا ضروری ہے، ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قائم نہین رہتی، لیکن اگر یہ خوبی ہاتھ سے نہ جانے پائے تو ردیف سے شعر چمک جاتا ہے، ان دونون شعرون پر غور کرو ؎

ساقیا عید ہے، لا بادہ سے مینا بھر کے		کہ مے آشام پیاسے ہین مہینا بھر کے
چاہتا خلق کو صہبا و صنم سے محروم	ولہ	ایسی نیت پہ بہشت آپ کو، واعظ! معلوم

دونون شعر اپنی اپنی حیثیت سے لاجواب ہین، لیکن پہلے شعر کو ردیف نے کس قدر چمکا دیا ہے - بعض جگہ ردیف کی تکرار نہایت لطف پیدا کر دیتی ہے، میر صاحب کے ہان اسکی مثالین بھی کثرت سے ملتی ہین حسن قافیہ و ردیف، و تکرار کی یکجائی چند مثالین ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

کین صفین صاف گر منہ کی صفائی نہ گئی	ولہ	سیکڑون خون کئے اور کہین آئی نہ گئی
شیطان عمر سعد کی گردن پہ چڑھا ہے	ولہ	بھاگو کہ پسر شیر خدا رن پہ چڑھا ہے
رُکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہات	ولہ	دو ہوکے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہات
ہلچل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ	ولہ	اُس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ

ڈھالوں سے پھول لے گئی پھولوں سے زر لیا	وله	اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا
سب تھک گئے مگر نہ تھکے تیغ زن کے ہاتھ	وله	وہ معرکہ رہا اسی گل پیرہن کے ہاتھ
ظالم شکار بن گیا گیہان خدیو کا	وله	کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
ماتم ادھر تھا جشن ہین تھے اہل شر اُدھر انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر	وله	بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادھر اُدھر
پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر کھولے ہین ید اللہ نے اکثر مرے جوہر	وله	مخفی نہین جبرئیل امین پر مرے جوہر کرار نے دیکھے ہین مکرر مرے جوہر
کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے پانی وہ خود پیئے ہوے تھی گھاٹ گھاٹ کے	وله	تنتی تھی کیا تنوں سے زمین پاٹ پاٹ کے دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے	وله	پہلے انھین کو مار لیا رول رول کے ہتیار سب نے پھینکدیے کھول کھول کے
شہ کے غضب سے مانگتی تھی ہر کمان امان دیتے نہ تھے کسی کو امام زمان امان	وله	مضطر زمین تھی، مانگتا تھا آسمان امان ہر صف مین تھا یہ شور کہ مولا، امان امان

تلوار کی تیزی

تنسیق الصفات جب کسی موقع پر چند الفاظ ایک وزن یا ایک قسم کے پے درپے آتے ہین تو ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے، میر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین سه

دوزخ کی زبانون سے بھی آنچ اسکی بری تھی		برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی
موجود بھی ہر غول مین اور سب سے جدا بھی اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی، پانی بھی ہوا بھی	وله	دم خم بھی، لگاوٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی امرت بھی، ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کوفہ مین یہی معرکہ دن بھر نظر آیا	وله	شمر آیا سنان آیا۔ حر آیا۔ عمر آیا
سمٹا۔ جما۔ اُڑا۔ ادھر آیا۔ اُدھر گیا	وله	چمکا۔ پھرا۔ جمال دکھایا۔ ٹھہر گیا

چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ چم خم کا جدا رنگ تھا کس بل کا جدا رنگ	ولہ	ہر بات میں دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ لب سُرخ، دہن صاف بدن گول ہرا رنگ

بلاغت

انیس و دبیر کے موازنہ مین یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ میر صاحب کے کلام مین فصاحت زیادہ ہے اور مرزا صاحب مین **بلاغت**، لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اُسی قدر بلکہ اُس سے زیادہ غلط اور بے معنی ہے، بلاغت کی جو تعریف تمام کتابون مین مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہین اُسکی روسے، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اس لیے فصاحت و بلاغت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے، اگر مرزا صاحب مین بلاغت زیادہ ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ فصاحت بھی زیادہ ہے، کیونکہ کلام اُس وقت تک بلیغ نہین ہوسکتا جب تک اُس کے تمام الفاظ مفردات و مرکبات فصیح نہون، اگر فصاحت مین کسی قسم کی کمی ہوگی تو بلاغت مین بھی کمی ہوگی، اِس لئے کسی کلام کی نسبت یہ کہنا کہ اسمین بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم، گویا یہ کہنا ہے کہ فصاحت زیادہ بھی ہے اور کم بھی،

بلاغت کی تعریف علماے معانی نے یہ کی ہے کہ کلام اقتضاے حال کے موافق ہو، اور فصیح ہو، مقتضاے حال کے موافق ہونا، ایسا جامع لفظ ہے جس مین بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی مثلاً مطول، ایضاح، وغیرہ مین بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اُسکے جسقدر انواع و اقسام قرار دیے ہین، وہ نہایت جزئی اور معمولی باتین ہین، اِن تصریحات کی روسے بلاغت اس کا نام ہے کہ مبتدا اور خبر کہان مقدم لائے جائین اور کہان مؤخر؟ کہان معرفہ ہون کہان نکرہ؟ کہان مذکور ہون، کہان محذوف؟ اسناد کہان حقیقی ہو، کہان مجازی؟ جملہ کہان خبریہ ہو، کہان انشائیہ؟

دو فقرون مین کہان وصل ہو کہان فصل ؟ کلام مین کس موقع پر اطناب کیا جائے کس موقع پر اختصار ؟ گویا **بلاغت** کا صرف اسقدر فرض ہو کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ مین ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتا دے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہئین اور اُن اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہیئے ، لیکن اگر عام طور پر یہ پوچھا جائے کہ کس قسم کے مضامین کو کیونکر ادا کرنا چاہیئے مثلاً مدح - ذم - فخر - ہجا - تہنیت - تعریض - شوق - محبت ، ان مضامین سے ہر ایک کے ادا کرنے کے کیا کیا خاص پیرائے ہین ؟ ہر مضمون کا خاکہ کیونکر قائم کرنا چاہیئے ؟ کس قسم کے خیالات کس خاص مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہین ؟ تو موجودہ فن بلاغت اس کے متعلق کچھ رہبری نہین کرسکتا ، حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین ہی سے ہو نہ الفاظ سے ، مثلاً یہ امر کہ ایک واعظ کو کسی بات کے ثابت کرنے کے لیئے کس قسم کے مقدمات سے کام لینا چاہیئے ؟ اور اسی بات کو اگر ایک حکیم ثابت کرنا چاہے تو اُسکے استدلال کا کیا طرز ہوگا ؟ اس مین الفاظ کی حیثیت سے بحث نہین ہوتی بلکہ صرف نوعیت استدلال کا لحاظ ہوتا ہے ، یعنی اگر ایک حکیم کے استدلال مین واعظانہ مقدمات پائے جائین تو کہا جائیگا کہ خلاف بلاغت ہے ، کیونکہ بلاغت کے معنی مقتضاے حال کے موافق کلام کرنا ہے ، اور ظاہر ہے کہ ایک حکیم کو واعظانہ مقدمات سے استدلال کرنا اُسکے رتبہ کے خلاف ہے - اس سے ظاہر ہوا کہ بلاغت کو الفاظ سے چندان تعلق نہین ، محض مضامین کو بھی بلیغ یا غیر بلیغ کہا جا سکتا ہو ، بلاغتِ الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے ، اصلی اور اعلی درجہ کی بلاغت ، معانی کی بلاغت ہے -

میر انیس صاحب کے کلام مین بلاغت الفاظ بھی اگرچہ انتہا درجہ کی ہے ، لیکن یہ اُن کے کمال کا اصلی معیار نہین ، اُن کے کمال کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت مین کھلتا ہو ، کربلا کے واقعات ، جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کا موضوع شاعری ہو ، جہانتک تاریخ و روایت سے ثابت ہین نہایت مختصر ہین ، لیکن مرثیہ گویون نے اُن مین نہایت

وسعت پیدا کی ہی بعض جگہ محض ایک اجمالی واقعہ مذکور تھا، اُس کو اسقدر وسعت دی کہ واقعہ کے تمام جزئیات بیان کردیے۔ بعض جگہ روایت مین اُس واقعہ کا نام ونشان بھی تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے اقتضا سے اُس واقعہ کا پیش آنا ضرور تھا، واقعہ کو فرض کرلیا ہے اور پھر اُس کو اس طرح پھیلا کر لکھا ہے کہ گویا پورا واقعہ من وعن روایتون مین مذکور تھا۔

مثلاً یہ واقعہ کہ جب حضرت عباس کو علم ملا تو عون ومحمد کو رنج ہوا کہ یہ ہمارا حق تھا، وہ اپنی مان حضرت زینب کے پاس شکایت لیکر گئے' اُنھون نے سمجھایا کہ امام علیہ السّلام نے جو کچھ کیا بجا کیا'' یہ واقعہ نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے حالانکہ کتب تاریخ مین سرے سے اسکا ذکر نہین یا مثلاً حضرت علی اکبر کی تیاری جنگ کے وقت حضرت زینب کا آزردہ ہونا اور جانے سے روکنا، یا مثلاً حضرت شہر بانو کا حضرت علی اکبر سے اس بات پر ناراض ہونا کہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑکر کیون چلے آئے، اِن تمام واقعات کا تاریخ مین پتہ نہین، اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے مین **بلاغت** کا پہلا فرض یہ ہی کہ جو واقعہ فرض کیا جائے وہ ایسا ہو کہ وقت اور حالت کے لحاظ سے اس کا واقعہ ہونا یقینی ہونے کے برابر ہو' اسکے ساتھ واقعہ کے جزئیات اور کیفیات جو بیان کیے جائین وہ بالکل مقتضائے حال کے موافق ہون' اور اس طرح بیان کیے جائین کہ واقعہ کی صورت آنکھون مین پھر جائے۔

اس نکتہ کی حقیقت ایک مثال سے زیادہ تر واضح ہوگی، مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ مین یہ واقعہ باندھا ہے کہ جب حضرت علی اکبر جوان ہوے تو جابجا اُن کے حسن وجمال کا شہرہ ہوا' یہان تک کہ بادشاہان وقت نے اپنے اپنے ملک سے مصور بھیجے کہ اُن کی تصویر کھینچکر لائین، حلب کا بادشاہ سب سے زیادہ مشتاق ہوا اور جب تصویر اُس کے پاس پہونچی تو اُس نے فوراً اپنی بیٹی سے حضرت علی اکبر کی نسبت ٹھہرائی' اور حضرت امام حسین کے پاس

پیغام بھیجا، امام ممدوح نے اپنی بے اطمینانی کی حالت بیان کی اور اخیر مین لکھا، ؎

اکبر کا بیاہ خالق اکبر کے ہات ہے | بابا کے ہات ہے نہ یہ مادر کے ہات ہے

لیکن بادشاہ حلب نے باوجود اسکے نسبت ٹھہرا ہی دی، اور شادی کے تمام سامان مہیا کرنے شروع کردیئے، ادھر کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ جب بادشاہ کو خبر پہونچی تو وہ مع اپنے خاندان کے کربلا پہونچا، بادشاہ کی لڑکی نے جو حضرت علی اکبر سے منسوب تھی اس طرح نوحہ کیا، ؎

آئی ہون گھر سے بال پریشان کیئے ہوے
دولھا اُٹھو، کھڑی ہے دُلھن سر لیئے ہوے

دولھا! تمھاری بیوطنی پر نثار مین
دولھا! تمھاری خستہ تنی پر نثار مین

دولھا! تمھاری بے کفنی پر نثار مین
دولھا! تمھاری کم سخنی پر نثار مین

مردے کا ذکر کرتے ہین سب شور و شین سے
ہئے ہئے بیان تمھارے کرون کیا مین بین سے

خوبو سے مطلع نہین مین سوختہ جگر
نتھ، چوڑیان پہننے نہ پائی، ہین نوحہ گر

ہے ہے مین اپنے گھر سے نہ آئی تمھارے گھر
جو آج ٹھنڈی کرتی مین صاحب کی لاش پر

حسرت ہی عقد کی رہی لونڈی کے باپ کو
ہے ہے بندھا نہ مہر جو بخشون مین آپ کو

دولھا! مین ننگے سر ہون مجھے تم ردا اُڑھاؤ
دولھا! مجھے بھی فاطمہ کے پاس لیتے جاؤ

دولھا! کہان مین بیٹھون ٹھکانا مجھے بتاؤ
دولھا برابر اپنے مری قبر بھی بناؤ

دولھا! مقام شرم ہے در در نہ پھرنے دو
پردہ دُلھن کا رکھ لو کھلے سر نہ پھرنے دو

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ فرضی عروس کی زبانی ایک بڑا نوحہ الگ لکھکر مرثیہ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے، ؎

اُس عادل و منصف کی ہین دون رُو کے دُہائی	ہَے ہَے مرے نوشاہ
سُنتی ہے دُلھن شکل رنڈاپے نے دکھائی	ہَے ہَے مرے نوشاہ

یہ تمام قصہ، بالکل بلاغت اور مقتضاے حال کے خلاف ہی، تمام باتون سے قطع نظر کرکے ایک کنواری لڑکی کا بین اور نوحہ کرنا جو خود کہتی ہے کہ مین آپ کے عقد مین نہین آئی، اور پھر دولھا، دولھا پکارتی جاتی ہے کسقدر بیمعنی اور لغو ہے -

میر انیس نے سیکڑون ہزارون مرثیے لکھے ہین، اور ہر مرثیہ بجاے خود ایک قصہ یا حکایت ہے، لیکن کوئی واقعہ ایسا نہین لکھا جو اقتضاے حال کے خلاف ہو، عون و محمد کی روایت کا سرے سے کہین پتہ نہ تھا، لیکن جب میر انیس نے اسکو مرثیہ مین لکھا تو تمام لوگون کو اسکی واقعیت کا دھوکہ ہوا، یہان تک کہ اب وہ بطور ایک واقعہ مسلمہ کے تمام مرثیہ گویون کے ہان مختلف پیرایون مین بیان کیا جاتا ہے، اسی طرح میر انیس نے جس قدر واقعات لکھے ہین باوجود رقت انگیز اور مؤثر ہونے کے، واقعیت کے قالب مین اسقدر ڈھلے ہوے ہین کہ کہین سے اُن پر حرف گیری نہین ہو سکتی -

مرثیون مین جو مضامین قدر مشترک کے طور پر ہین وہ یہ ہین، آمادگی سفر، راہ کی تکلیفات اور صعوبتین، قیام گاہ کا انتظام، دشمنون کی روک ٹوک، معرکہ کی طیاریان، رزم آرائی، رجز، حریفون کا قتال و جدال، دشمنون کی فتح، اہل حرم کی بیکسی اور بیچارگی، شام کا سفر، قید خانہ، دربار کی حاضری -

ان مین سے ہر عنوان کے ادا کرنے کے لئے **بلاغت** کے خاص خاص طریقے ہین، مثلاً **سفر کی طیاری** کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ سفر کے وقت، جو جو واقعات اور حالات پیش آتے ہین اُن کی تصویر کھینچی جائے، سفر کی آمادگی، سواریون کی تقسیم، زاد سفر کا انتظام، محملون اور کجاؤن کی طیاری، مستورات کے پردہ کا انتظام، دوست اور احباب کے وداعی جذبات، بھائی بہنون اور عزیزون کی گریہ و زاری، دلدہی اور صبر کے

کلمات، یہ تمام باتین تفصیل سے بیان کیجائین اور اس طرح کی جائین کہ آنکھون کے سامنے بعینہ سفر کا نقشہ پھر جائے، میرانیس نے جہان جہان سفر کا بیان کیا، اِن نکتون کو ملحوظ رکھا ہے۔

دو حریفون کی باہمی معرکہ آرائی کو اس طرح بیان کرنا چاہیئے کہ پہلے دونون کے سراپا، ڈیل ڈول، اور اسلحۂ جنگ سجنے کا نقشہ دکھایا جائے، پھر بتایا جائے کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہُنر دکھائے، حریف نے حریف پر کیونکر حملہ کیا، کس طرح وار بچایا، تلوار کے کیا کیا ہات دکھائے، بند کیونکر باندھے، وغیرہ وغیرہ، میرانیس کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین۔ بخلاف اسکے مرزا دبیر صاحب، آسمان و زمین کے قلابے ملا دیتے ہین لیکن یہ پتہ نہین لگتا کہ دونون حریفون مین سے کسی نے دوسرے پر وار بھی کیا تھا یا نہین۔

غرض ہر واقعہ اور ہر معاملہ کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ اسکی تمام خصوصیات اس طرح دکھائی جائین کہ دلون پر وہی اثر طاری ہو جو خود واقعہ کے پیش آنے سے ہوتا، میرانیس کے کلام مین عموماً یہ وصف پایا جاتا ہے، ہم نے اس موقع پر مثالین، اس لئے قلم انداز کین کہ آگے چل کر واقعہ نگاری اور اظہار جذبات وغیرہ کے عنوانون مین جو مثالین آئینگی وہی بلاغت کے لئے بھی کافی ہونگی۔

بلاغت کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ واقعات کے بیان مین جس درجہ و رتبہ اور جس سن و سال کے لوگون کا ذکر آئے، اُسی قسم کے طرزِ خیال اور طریق ادا کو ملحوظ رکھا جائے، بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، کنواری، بیوہ، آقا، غلام، نوکر چاکر، غرض جسکی زبان سے جو خیال ظاہر کیا جائے اُسکی زبان اور طرز خیال کی تمام خصوصیتون کو قائم رکھا جائے، میرانیس نے تمام مرثیون مین یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے، مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سفر کے وقت محلہ کی بیبیان حضرت زینبؑ کو سفر سے روکتی ہین۔

ہمسایونکی ہمدردی اور اظہار افسوس کا کیا طریقہ ہے

سب کہتے ہین زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا | کس طرح چلے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا ؟
پانی کی کمی، گرمی کے دن، خوف کا رستہ | وہ دھوپ پہاڑون کی، وہ لون اور وہ صحرا
کیا سونچ کے اس فصل مین شبیرؑ چلے ہین
بچون پہ کرو رحم، کہ نازون کے پلے ہین

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچہ کا سفر ہے | کچھ تم کو پہاڑون کی بھی گرمی کی خبر ہے ؟
غربت مین جوانون کے تلف ہونیکا ڈر ہے | رحم اس پہ ہی لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغرؑ کو جدا دکھ ہو، قلق مان کو سوا ہو
گرمی کے سبب دم جو گھٹ جائے تو کیا ہو؟

ایک اور موقع پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

عورتین کیونکر صلاح دیتی ہین۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتے ہین تقریر | اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر | مسلم کا خط آلے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبر کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ اپنی چھوٹی صاحبزادی صغریٰ کو سفر مین لیجانے سے انکار کرتے ہین تو وہ حضرت زینبؑ سے سفارش کراتی ہین ؎

بچون کے ادائے مدعا کا طرز

صغرا نے کہا آ کے کہ بانون کے مین قربان | تم جان سجا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان | جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
امان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

دوسرونکی محبت کا طعنہ

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جائینگی ہمراہ | کیا اُنس کہ ہین گور کنارے بھی تو ہون آہ
بابا کو نہ امان کو نہ بہنون کو مری چاہ | سب جیتے رہین خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
مین قبر مین جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

خاص عزیزون کی شکایت

عاشق مرے مشہور ہین بھیا کے مین واری
قاسم کو غرض کیا جو سنین گریۂ و زاری
دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
مین کون ہون سکینہ ہین چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

یا مثلاً حضرت علی اصغر کے پیاس سے جان بلب ہونے کے وقت اُن کی مان کی حالت اس طرح بیان کی ہے ؎

چلاتی تھی بکھرائے ہوے بالون کو مادر
فریاد ہے اے لخت دل ساقی کوثر
دولت مری لٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
آنکھین بھی جھپکتے نہین اب تو علی اصغر

کیا ہوگیا؟ اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل لال کو میرے

یا مثلاً حضرت امام حسین ع کی رخصت کے وقت شہربانو فرماتی ہین ؎

کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب! کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

یا مثلاً جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا مین پہونچے اور وہان اُترنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زینب ع اس مقام کی وحشت اور ویرانی سے گھبرا کر فرماتی ہین ؎

کیون چلتے چلتے آپ نے یان روک لی لگام
بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام؟

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پُر خطر مین اُترنا تو قہر ہے

عورتون کی ضعیف القلبی

جنگل مین ہے بشر کے لئے سو طرح کا ڈر
دن کٹ گیا تو ہوئیگی شب کس طرح بسر
اُٹھتے ہین بار بار بگولے ادھر اُدھر
لشکر مین غل رہےگا درندون کا رات بھر

بچے بھی مارے ہول کے تر ہین پسینے مین
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے مین

اسی واقعہ کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
جو جو حُسن ہین اُن سے بھی لازم ہے مشورت

ہے وہ امام واقف اسرار شش جہت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مصلحت

ساحل پہ دشمنون مین کسی کا عمل نہ ہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

یا مثلاً جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو علم دیا ہے تو حضرت زینبؑ، عباسؑ کو مبارکباد دیتے ہوے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئین گے جب سرور اُمم
ہاتھون کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیر غم

تب دونگی تم کو تہنیت عہدۂ علم
کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اسی موقع پر سکینہ مبارکباد کو آتی ہین، تو ان کے صغر سن کے لحاظ سے اِن کی مبارکباد دینے کو کس پیرایہ مین ادا کیا ہے ؎

اتنے مین پاس آکے سکینہ نے یون کہا
عہدہ علم کا تمکو مبارک ہوا ہے چچا!

چہرہ کی لون بلائین مین صدقے جھکو ذرا
مین نے دعائین کی ہین، کہو مجکو دوگے کیا

میدان کا رُخ کر دئے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

"جھکو ذرا" کی بلاغت پر لحاظ کرو، اور دعا کے صلہ مانگنے کو دیکھو۔
ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے میرے چچا، | مُحمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا
بابا سے کہہ دو، اب کہین خیمہ کرین بپا | ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو، تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے

بچون کی بول چال سے قطع نظر یہ دیکھو کہ بچون کی فطرت کو کس نکتہ سنجی سے ظاہر کیا ہے، بچون کی مدعا طلبی کا بڑا آلہ طعن اور تعریض ہے، اس کو کس خوبی سے ادا کیا ہے، ع تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے،

ایک اور موقع پر جب حضرت عباسؑ لڑنے کے لئے چلے ہین، اور سب لوگ تن بہ تقدیر اُن کو رخصت کر چکے ہین، تو حضرت سکینہ کو خبر ہوئی ہے، وہ گھبرا کر روکنے کے لئے آتی ہین، اور بچپن کے ناز سے کہتی ہین۔

خیمہ مین ہوا غل کہ چلے حضرت عباس | سب بولے کہ لو اور بھی سردار ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب یہ بصد یاس | کیا کہتے ہو تم، مجکو تو جانے دو چچا پاس

منہ شہ سے وہ موڑینگے نہ مانونگی کبھی مین
عمّو، مجھے چھوڑینگے، نہ مانون گی کبھی مین

عباسؑ پکارے ہین اس آواز کے قربان | ہم جاتے ہین پانی کے لئے، آؤ میری جان
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان | مین گھر سے تمھین جانے نہ دونگی کسی عنوان

بابا کا مرے کوئی مددگار نہین ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہین ہے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ کے شہید ہونے کی خبر آئی ہے اور لوگ بدحواس ہو رہے ہین، حضرت عباس کی زوجہ نے یہ خبر نہین سُنی ہے، لیکن قرینون سے اُن کو شبہہ ہوتا ہے اُن کے بدحواسانہ استفسار کو یون ادا کیا ہے ؎

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ — کیون بی بیو! کیا ہو گئے بچے مرے بے آس
کیا کہتے ہین شاہِ شہدا، کس سے ہوئی یاس — ای وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا مُنہ دیکھ کے کیون روتے ہو لوگو

اس مصرعہ مین ع اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس، کس قدر ایثار نفس کا خیال ظاہر کیا ہے، یعنی اپنے شوہر کے مرنے کا غم اپنی مصیبت کے لحاظ سے نہین بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ سکینہ کے لیے پانی نہ لا سکے اور اُن کی پیاس نہ بجھا سکے۔

یا مثلاً جب حضرت علی اکبر نے مان سے اجازت لیکر میدان جنگ مین جانے کا ارادہ کیا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، اُس وقت حضرت زینبؑ فرماتی ہین ؎

زینبؑ نے کہا جس مین رضائے شہِ عالی — مین نے تو کوئی بات نہین منہ سے نکالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے، مان سے تو رضا لی — مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی
صدقے گئے فرزند، پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو مرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

بچپن مین یہ کاہے کو مری چھاتی پہ سوئے — کب جاگی مین تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہین کی، گیسوے مشکین نہین دھوئے — ان کے لئے کب مین نے پسر ہاتھ سے کھوئے
کیون روتے ہین یہ کس لئے حضرت کو قلق ہے
حق دار مین کاہے کو مرا کون سا حق ہے

حضرت علی اکبرؑ کو حضرت زینب ہی نے پالا تھا، اور وہ اُن کو اپنے بچون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین، حضرت علی اکبر بھی ہر بات مین اُنھی کا مُنہ دیکھتے رہتے تھے، چونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضرت زینب میدان جنگ مین جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دینگی، اِس لئے

اُنھون نے پہلے اپنے مان باپ سے اجازت لی ہے کہ اور لوگ اجازت دیدین تو حضرت زینبؑ
سے درخواست کرنے کے لئے سندھا تھ آئے۔ اتنے مین حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ
پھوپی سے بھی تو اجازت لو، وہ بھری ہوئی بیٹھی تھین، اُن کی طعن آمیز تقریر کو کس خوبی سے
ادا کیا ہے۔

یا مثلاً جب یزید کی بیوی ہندہ نے قیدخانہ مین اہل حرم کے دیکھنے کے لئے جانا چاہا ہی
تو لونڈیون اور پیش خدمتون کی تقریر کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

سب عورتون کو لیکے چلی جب وہ حق شناس — کہنے لگین یہ تب جو کنیزین تھین آس پاس
کپڑے یہ ملگجے ہین، بدل ڈالیئے لباس — اُس نے کہا کہ ہے مرے دل پر ہجوم یاس
اک دم مین سوگوارون کو مین دیکھ آتی ہون
کیسا لباس، کیا کسی شادی مین جاتی ہون

جب وہ قیدخانے کے دروازہ پر پہونچی ہے تو ؎

بڑھ کر کسی کنیز نے، تب یہ کیا بیان — بی بی کوئی اسیرون مین زندہ نہین یہان
چلئے محل مین آپ بھلا جائین گی کہان — قابل نہین حضور کے جانے کے یہ مکان
گر غش ہوئی تو آپ مین آیا نہ جائے گا
ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نہ جائے گا

لونڈیان ہندہ کو قیدخانہ مین جانے سے روکنا چاہتی ہین، اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے پہلے تو یہ کہا کہ یہان کوئی زندہ نہین، پھر یہ کہ مکان آپ کے جانے کے قابل نہین پھر اس مین مبالغہ کا یہ اسلوب کہ آپ کو اختیار ہے لیکن ع ہمسے تو اس خرابہ مین جایا نجائیگا

اسی مضمون کو ایک اور مرثیہ مین اس طرح باندھا ہے کہ دربانون نے اس خیال سے کہ قیدخانہ مین امام زین العابدینؑ بھی ہین اور وہ غیر محرم ہین، اہل حرم کی طرف مخاطب ہوکر کہا ہے ؎

یا تو بیمار کی آنکھیں قیدی کی اُمیرا بند کرین	یا ہم آکر کسی حجرہ مین جُدا بند کرین

غور کرو لونڈیون اور پیش خدمتون کی خوشامدانہ فطرت کا کس طرح اظہار کیا ہے، اور دربانون کی تحقیرانہ فرمایش کسقدر دلدوز ہے، کہ یا تو زین العابدینؑ کی آنکھیں بند کردو، یا ہم آکر کسی حجرہ مین اُن کو بند کردین۔

یا مثلاً جب حُر نے اپنے بھائی، بیٹے، اور غلام سے مشورہ کیا ہے کہ کس کا ساتھ دینا چاہیئے، تو اُنھون نے یون جواب دیا ہے ؎

بیٹے نے کہا، شہ کی غلامی ہے سعادت	آنکھون سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت	کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترک رفاقت

مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑین ہم
کیا خوب! محمدؐ کے نواسے سے لڑین ہم

عبد حُر غازی نے کہا تول کے شمشیر	گر لاکھ ہون جانین تو نثار سرِ شبیرؑ
دنیا مین نہوگا عمرِ سعد سا بے پیر	کہیئے تو کرون اُسکے مٹا دینے کی تدبیر

حافظ ہے خدا، زور سے تلوار کے چلیئے
اُس فوج مین چلیئے، تو اُسے مار کے چلیئے

دیکھو بھائی اور بیٹے نے جو کہا اور جو ارادہ کیا، اُن کو اجازت طلبی کی ضرورت نہین بخلاف اسکے غلام کہتا ہے کہ ع کہیئے تو کرون اسکے مٹا دینے کی تدبیر، یہ وہی غلامانہ انداز گفتگو ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس فعل کو بھی اپنی طرف نہین منسوب کرتا بلکہ کہتا ہے ع اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے۔

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ میدان جنگ کو جارہے ہین، تو اُن کی زوجہ حضرت شہربانو سے کہتی ہین ؎

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار	ہم کو تباہ کرتے ہین عباس نامدار

ہے لونڈیون کے باب ہین بی بی کو اختیار | کچھ آپ بولتی نہین اسوقت ؛ ہین نثار

کہئے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

اسی طرح کہتے کہتے، اخیر مین کہتی ہین ع بی بی مین کیا کرون میرے بچے صغیر ہین، دیکھو بیقراری کی معذرت مین کسقدر حسرت بھری ہوئی ہے، حضرت عباس ع نے زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو ان کو روکا ؎

عباس ع دیکھتے ہین جو زوجہ کا اضطرار | ہوتا ہے تیر غم جگر نا توان سے پار
روتے ہین خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار | شوہر کے غم مین یون کوئی ہوتا ہے بیقرار

آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہین لونڈیان کہین آقا کے سامنے

یا مثلاً جب حضرت عباس حضرت امام حسین ع کے اصرار اور امتثال امر کی بنا پر، دریا سے ہٹ آئے تو حضرت عباس کی شجاعانہ حسرت کو اس طرح ادا کیا ہے

شجاعانہ حسرت

کہتے تھے راہ مین کہ نہ زور اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

یا مثلاً حضرت عباس ع نے جب حضرت امام حسین ع سے خیمہ نصب کرنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو ؎

کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا | زینب جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی عباس باوفا | جاکر قریب محمل زینب یہ دی صدا

سعادتمند چھوٹا بھائی کس ادب سے بڑی بہن سے خطاب کرتا ہے۔

حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا؟

یا مثلاً حضرت زینب ع نے علی اکبر کو حضرت عباس کے بلانے کے لئے بھیجا ہے

تو وہ جاکر مؤدبانہ طریقہ سے حضرت عباس سے کہتے ہین ع چلئے پھوپی نے یاد کیا ہی حضور کو،

یا مثلاً جب یہ بحث پیدا ہوئی ہر کہ فوج کا علم کسکو دیا جائے تو حضرت عباس کی بیوی اپنے شوہر کا استحقاق اس طرح بیان کرتی ہین ؎

خادم شہ دین کے ہین تو عباس علی ہین		اس عہدہ کے لائق جو اگر ہین تو وہی ہین

در جو اگر، غلط ترکیب ہے لیکن مستورات کی زبان کی بعینہ نقل کردینے نے وہ بات پیدا کردی ہے جو صحیح لفظ سے پیدا نہین ہو سکتی تھی'

اس قسم کی صدہا مثالین ہین -

بلاغت کا ایک نازک موقع وہان پیش آتا ہے جہان حریف مخالف کا ذکر کرنا ہوتا ہے، دشمن کو، اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اسکے مقابلہ مین فتحمندی کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے اور شان و شوکت دکھائی جائے تو مذہبی خیال کے خلاف ہوتا ہے' ایسے مشکل موقع پر میر صاحب جس طرح ان دونون مشکلون سے عہدہ برا ہوتے ہین اور مدح و ذم کو پہلو بہ پہلو رکھتے ہین، اس کا اندازہ ذیل کی مثالون سے ہوگا

بالا قد و کلفت، و تنومند و خیرہ سر		روئین تن، و سیاہ درون، آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے، ترکش اجل کا گھر		تیغین ہزار ٹوٹ گئین جس پہ وہ سپر

دل مین بدی، طبیعت بد مین بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُسکے اور اُسی قد و قامت کا ایک یل		آنکھین کبود رنگ سیہ ابروؤن پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پر دغل		جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکرون کے دل

بھالے لئے، کسے ہوئے کمرین ستیز پر
نازان وہ حرب گرز پہ' یہ تیغ تیز پر

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

نکلا یہ سُن کے غیظ مین اک پہلوان روم — گیتی کے چار دانگ مین تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگ و پُرغرور و سیہ قلب و نحس و شوم — لنگر سے جس کے ہل گئی مقتل کی مرز و بوم
مرحب تھا کفر و شرک مین طاقت مین گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

چہرہ مہیب غیظ سے آنکھین لہو کی جام — تھرائے سام، خوف سے کاندھے پہ تھا حسام
موذی، سیاہ بخت، سیہ دل، سیاہ فام — کھاتا تھا لاکھ بل، جو کوئی لے علیؑ کا نام
کُندا سقر کے قعر کا پُتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرزِ گاو سر — پہنے ہوئے زرد پہ زرہ، برمین بد گہر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر — منہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر
دستانے دو نو دست تعدی پسند پہ
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پہ

ایک اور موقع پر:

نکلا اُدھر سے بہروغا ایک روسیاہ — زور آور و تہمتن، و مغرور و کینہ خواہ،
کاندھے پہ گرز، برمین زرہ، خشمگین نگاہ — سر پر مثال قبضۂ تیغ آہنین کلاہ،
آمد شقی کی تھی کہ روان رود نیل تھا
ہیبت مین تھا جو دیو تو ہیکل مین پیل تھا

واقعات کے بیان مین، بلاغت کا ایک بڑا ضروری اصول یہ ہے کہ کہین سے سلسلۂ بیان ٹوٹنے نہ پائے، جب کوئی واقعہ مختلف اور متعدد واقعات پر مشتمل ہوتا ہے تو ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اکثر بیان کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، یا زائد اور بھرتی کے لفظ لانے پڑتے ہین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی

ایک واقعہ کا دوسرے سے پیوند لگایا ہے۔ مرزا دبیر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین، میر انیس کے اکثر مرثیے، بہت سے متعدد واقعات پر مشتمل ہوتے ہین یہان تک کہ اگر اُن پر الگ الگ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر واقعہ ایک جداگانہ مرثیہ کا موضوع ہے لیکن تسلسل بیان کا یہ اثر ہے کہ تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہین جسکی تمام کڑیان آپس مین ملی ہوئی نظر آتی ہین۔

مثلاً حُر کا ایک مرثیہ لکھا ہے۔ اسمین حسب ذیل مضامین بیان کیے ہین۔

حُر کی مدح وصفت۔ امام علیہ السلام اور اہل بیت کا میدان جنگ مین آنا۔ دونون طرف کی طیاریان۔ حضرت امام حسین کا وعظ اور اتمام حجت کی تقریر۔ عمر بن سعد کا حُر کیطرف مخاطب ہونا اور دونون کے سوال وجواب۔ حُر کا امام حسینؑ کی طرف رُخ کرنا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بزرگانہ استقبال۔ حُر کی عفو خواہی اور امام حسین علیہ السلام کا عفو وکرم۔ حُر کا جنگ کے لیئے اجازت طلب ہونا۔ میدان جنگ مین جانا اور شہید ہونا۔ مرنے کے وقت حضرت امام حسین کا حُر کے پاس پہونچنا اور نزع کی گفتگو۔

یہ مرثیہ بہت بڑا ہے اور ہر واقعہ کو نہایت طول دیکر لکھا ہے، اس لیئے پورا مرثیہ اس موقع پر نقل نہین کیا جا سکتا، ہم صرف اُن موقعون کے اشعار نقل کرتے ہین جہان جہان ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف انتقال کیا ہے۔

مرثیہ حُر کی تعریف سے شروع ہوتا ہے تعریف کرتے کرتے لڑائی کا ذکر کرتے ہین؎

وصف حُر مین ہر زبان معترف عجز وقصور	آمد آمد کی بہادر کا کرون اب مذکور
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہِ مقہور	مہر افلاک امامت نے کیا رن مین ظہور

غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخ آل نبی	آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی

رن مین کڑکا ہوا بجنے لگے باجے غربی
ایک تازون نے کیا شور مبارز طلبی
ایک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سپہ زنگی
برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

برچھیان تول کے ہر غول سے اسوار بڑھے
نیزے ہاتھون مین سنبھالے ہوئے خونخوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلون مین کماندار بڑھے
بولے شہ یان سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
(یہان سے امام حسینؑ کا وعظ دلنشین کیطرف گریز ہے)
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہین
مین نبی زادہ ہون سبقت مجھے منظور نہین

یہ سخن کہکے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
اے سپاہ عرب و مصر و رے کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
پسر مصحف ناطق ہون سنو میرے کلام
سخن حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

امام حسینؑ کا وعظ نہایت تفصیل سے لکھا ہے اسکے بعد عمر بن سعد اور حر کی مخاصمانہ گفتگو اور سوال وجواب کا بیان کرنا تھا، اس کے لئے ربط کلام کا یہ طریقہ نکالا کہ حضرت امام حسینؑ کے وعظ سے تمام فوج متاثر ہوئی۔ یہان تک کہ عمر بن سعد نے حُر کی طرف (ایک افسر فوج کی حیثیت سے) دیکھا کہ یہ کیا رنگ ہے اُس نے کہا امامؑ بالکل سچ کہتے ہین۔ اس طرح دونون مین تکرار اور رد وکد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اِس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ
عمر سعد نے کی مُڑ کے رُخ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ سچ کہتے ہین شاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا وہ ذیجاہ
اُن کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخن حق مین جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

دونون مین دیر تک ردّ و قدح ہوتی رہی، اب اس واقعہ کے بیان کرنے کا موقع آیا کہ حُر نے امام حسینؑ کی طرف رُخ کیا اور اُن سے جا کر مل گیا، اس کو یون ادا کیا کہ عمر ابن سعد حُر سے کہتا ہے کہ خبردار! اگر تو نے اُدھر جانے کا قصد کیا تو پرچہ نویس یزید کو خبر کر دینگے اور تیری جان پر آفت آجائے گی، حُر جواب دیتا ہے ؎

عمل خیر سے بہکا نہ مجھے اے ابلیس
کیا مجھے دیگا ترا حاکم ملعون و خسیس
وہی کونین کا مالک ہی وہی راس و رئیس
کچھ تردد نہین کہدے کہ لکھین پرچہ نویس

ہان سوے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہون
اے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہون

کہکے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
تن کے دیکھا طرف فوج امام ابرار
سرخ آنکھین ہوئین ابرو پہ بل آیا ایکبار
پاؤن رکھنے لگا تن تن کے زمین پر رہوار

غل ہوا سید والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسین ابن علی جاتا ہے

کیا دو تین سالون نے تعاقب ہر چند
کتنے تھے ہاتھ مین وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند
حر کا ہاتھ آنا تو کیسا؛ نہ ملی گرد سمند
یہ فرس تھا کہ چھلاوہ، یہ پری تھا کہ پرند

کیا سبک سوے چمن باد بہاری پہنچی
ہم یہین رہ گئے، وان حُر کی سواری پہنچی

حضرت امام حسینؑ نے عباسؑ علمدار کو حُر کے استقبال کو بھیجا، اسکی تقریب یون پیدا کی ہے ؎

یان ہوے علم امامت سے شہ دین آگاہ
میرے لشکر کی طرف ہی رُخ حُرِ ذیجاہ
ہنسکے عباس سے فرمایا کہ اے غیرت ماہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ

جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان میرا عاشق مرے پاس آتا ہے

اسکے بعد حُر کی معذرت خواہی حضرت امام حسینؑ کا عفو، پھر حر کی طلبی اذن جنگ کو نہایت خوبی اور پُر اثر طریقہ سے ادا کیا ہے۔ پورا مرثیہ پڑھو اور جہان جہان ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے، ان پر غور سے نظر ڈالتے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ سلسلۂ تقریر کے زور سے مختلف واقعات کو کس خوبی سے ایک لڑی مین پرو دیا ہے۔

بلاغت کی جُزئیات۔ بلاغت کے جُزئی اسالیب، نہایت مختلف الصورۃ ہین اور چونکہ ہر جگہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اُن کی کلیات مشکل سے قائم ہو سکتے ہین، چند مثالون سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

مثال ۱۔ جب امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و اقارب و رفقا شہید ہو چکے ہین تو اتفاق سے ایک راہرو کا ادھر گذر ہوا، وہ یہ عبرت انگیز موقع دیکھ کر ٹھہر گیا اور امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت پوچھنی شروع کی، آپ نے اپنی مظلومی اور دشمنون کی بیرحمی کی داستان سنائی، لیکن اپنا نام نہ بتایا، وہ آپکا صورت شناس نہ تھا، لیکن قرائن سے اُسکو اشتباہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہین بالآخر اس نے کہا کہ ع

اظہار اسم اقدس والا مین کیا ہے باک"

آپ نے جو کچھ اور جس طرح جواب دیا اسکو اس طرح ادا کیا ہے ؎

یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون ۔۔۔ مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسینؑ ہون

اس شعر مین بلاغت کے جو نکتے ہین صرف مذاق صحیح ان کا احاطہ کر سکتا ہے، تاہم جس حد تک بیان مین آسکتا ہے ہم بیان کرتے ہین۔

موقع کی حالت یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ اپنا نام اس حیثیت کے ساتھ بتائین جس سے کسی قدر شرف و فضیلت کا اظہار ہو، تاکہ پوچھنے والا سمجھ سکے کہ یہ وہی امام حسین ہین جن کا وہ غائبانہ دلدادہ اور مشتاق ہے، لیکن امام ممدوح کو خاکساری مانع آتی ہے، وہ اس پر اکتفا کرتے ہین کہ مین حسینؑ ہون، لیکن چونکہ مستفسر قرائن سے اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ

محض نام لینے سے بھی غالبًا پہچان لیگا، اور اس لیے حسینؑ کہنا بھی گویا اپنے آپ کو امام کہنا ہے، اس بنا پر نام لینا بھی ایک طرح پر شرف اور فضیلت کا اظہار ہے، اس لئے خالی نام لیتے ہوئے بھی آپ شرما جاتے ہیں اور شرم سے آپ کی گردن جھک جاتی ہے اس بنا پر شاعر کہتا ہے کہ ع مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسینؑ ہوں ؛ لیکن شاعر کو جو امام حسین علیہ السلام کی عظمت کے اثر سے لبریز ہے، گوارا نہیں ہوتا کہ آپکا نام اس سادگی سے لیا جائے، اُس کے نزدیک امام علیہ السلام اگر اپنے آپکو بادشاہ مشرقین کہتے تو یہ کچھ خودستائی نہ تھی، بلکہ محض ایک واقعہ تھا، جس طرح رسول اللہ اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور یہ خودستائی نہیں خیال کیجاتی تھی، شاعر کے دل میں حسرت ہے کہ کاش امام نے بیان واقعہ ہی کیا ہوتا ، اس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ع یہ تو نہیں کہا کہ شہ مشرقین ہوں، تاہم اس سے یہ خیال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی عالی ظرفی اور شرافت نفس کا یہی اقتضاء تھا کہ وہ خاکساری کو بیان واقعہ پر مقدم رکھتے۔

اس موقع پر یہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ اسی واقعہ کو مرزا دبیر صاحب نے اس طرح باندھا ہے ع فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں،

میر انیس اور میرزا دبیر کے موازنہ کی جو بحث ہے، اُس کے فیصلے کے لئے دونوں کے صرف یہ دونوں مصرعہ کافی ہیں،

مثال ۲ - میدان کربلا میں امام علیہ السلامؑ یزیدیوں سے پہلے پہونچے تھے، اور نہر فرات کے قریب اُترے تھے، یزید کی فوج پہونچی تو رئیس فوج نے امام علیہ السلام کی فوج کو وہاں سے ہٹا دینا چاہا اور کہا کہ ؎

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہیں ادھر	ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر

اُن کی آمادگی اور شرارت دیکھ کر امام علیہ السلام کے رفقا برہم ہوئے، اس موقع

کی تصویر اس طرح کھینچتے ہین، ؎

بگڑے ابوثمامہ وسعد فلک سریر
جوڑا کمان مین ابن مظاہر نے ایک تیر

تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین شیر یہ

عابس کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا
غصہ سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین
بولے پکڑکے پیچھے زینب کے مہجبین

قبضہ پہ ہات رکھکے بڑھے اکبر حسین
شیرون سے کیا اترائی کو بے لینگے اہل کین

ابوثمامہ۔ سعد۔ زہیر قین۔ اسد۔ عابس حضرت امام حسین کے رفقا مین سے تھے، حضرت قاسم بھتیجے، حضرت علی اکبر صاحبزادے، اور حضرت زینب کے صاحبزادے آپکے بھانجے تھے، اس موقع پر بلاغت یہ ہے کہ جن لوگون کو جسقدر امام علیہ السلام سے قرب تھا، اُسی نسبت سے اُنکی طیش وآمادگی جنگ کی حالت دکھائی ہے، ابوثمامہ اور سعد بگڑکر رہ گئے، اسد نے کہا کہ یہ زجر کے قابل ہین، عابس کو غصہ آگیا، ہلال کے ابرو پر بل پڑ گئے زہیر قین نے تلوار تول لی، حضرت قاسم نے آستین اُلٹی، حضرت علی اکبر تلوار کے قبضہ پر ہات رکھکے آگے بڑھے، زینب کے صاحبزادون نے پیچھے سنبھال لئے، اس فرق مراتب کو اس خوبی سے اداکیا ہے کہ واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔

مثال ۳، جب تمام اعزہ اور احباب شہید ہوچکے اور صرف علی اکبر کا دم باقی رہ گیا تو دشمنون نے چاہا کہ امام علیہ السلام ان کو بھی میدان جنگ مین بھیجین، تاکہ بیٹا باپکی آنکھون کے سامنے خاک وخون مین ملادیا جائے، اس غرض سے اُنھون نے اس طرح امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کیا ؎

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہ دین پناہ
عباسؑ سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ

باقی ہو اور کوئی کہ بس ہوچکی سپاہ
بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہین راہ

چھنے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچائیے گا کلیجہ کو داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباس نامدار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار
اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
مثلِ خلیل کیجیے فرزند کو نثار

آہیں نہ بھریئے بیٹے کے سر کو نہ روئیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغِ پسر ہے اور
قوت بدن کی اور ہے، نورِ نظر ہے اور
بازو کا درد اور ہے، دردِ جگر ہے اور
سینہ کا زخم اور ہے، دردِ کمر ہے اور

گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجیے

دشوار ہے اگر غمِ فرزندِ نوجوان
مشتاق تیر ہیں تبر و خنجر و سنان
مرنے کو آپ آیئے اے قبلۂ زمان
جان اپنی دیجیے جو ہے پیاری پسر کی جان

اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

ان تمام اشعار میں دشمنوں کی طنز، تعریض، اور لاگ دلا کر علی اکبر کے بھجوانے کو کس بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے، طنز کا سب سے بڑا نکتہ یہ ہے کہ اس میں واقعیت کا پہلو موجود ہو، کیونکہ سچا طعنہ نہایت سخت اثر کرتا ہے، یہ امر کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے ایک بدیہی بات ہے، پھر اس دعوے کو متعدد تمثیلوں سے اور زیادہ قطعی کر دیا ہے، یعنی بازو کے درد کو جگر کے درد سے کچھ نسبت نہیں جسم کی طاقت پر آنکھوں کی بصارت کو ترجیح ہے، سینہ کے زخم سے کمر کے درد کو کیا نسبت ہے،

امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو حضرت علی اکبر سے پہلے میدان جنگ میں

بھیجدیا تھا، تو اس وجہ سے بھیجدیا تھا کہ عباس کسی طرح گوارا نہین کرتے تھے کہ اُن کے ہوتے علی اکبر پر آنچ آجائے، لیکن دشمن اسکی وجہ یہ بناتے ہین کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام حسین کی یہ لڑائی دینداری پر مبنی نہین ہے، ورنہ خدا کی راہ مین بیٹے اور بھائی کی کیا تمیز تھی، بلکہ بیٹے کو خدا کی راہ مین پہلے نثار کرنا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، پھر یہ بڑھاوا دیتے ہین کہ آپکا صبر اور شکر مسلم الثبوت ہے، بیٹے کے لئے یہ بیقراری کیون؟ ان طنزیہ فقرون مین جن الفاظ سے امام علیہ السلام کو خطاب کیا ہے بالکل تعریض سے بھرے ہوے ہین۔ شاہ دین پناہ۔ قبلۂ زمان۔ سرانور۔ ان سب الفاظ کے معنی کہ آپ اپنے کو ایسا سمجھتے ہین۔

مثال ۴۴، واقعۂ کربلا کے بعد جب اہل بیت یزید کے دربار مین گئے ہین تو یزید نے اُن سے اس طرح خطاب کیا ہے ؎

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر	دیکھ کر سید سجاد کو بولا وہ شریر
سرکشی کر کے نہ سربر ہوئے مجھ سے شبیر	شکر کرتا ہون کہ خالق نے کیا تمکو حقیر

بیٹھنے کا کہین دنیا مین سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمھارا نہ رہا

ہان کہو آج حمایت کو پیمبر ہین کہان	کیا ہوے ابن علی، حیدر صفدر ہین کہان
قید مین اُنکی بہو آئی ہے شبر ہین کہان	ننگے سر زینب دلگیر ہے سرور ہین کہان

ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کسکا ہے
اِک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کسکا ہے

ان اشعار مین یزید کے کفر اور ارتداد کو ایسے بلیغ اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے جس سے زیادہ خیال مین نہین آسکتا، یزید کو تسلیم ہے کہ سید سجاد یعنی امام زین العابدین اور اہل حرم نہال نبوت کے شاخ و برگ ہین، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اُن کا جو کچھ زور رہے

وہ جناب رسالتپناہ اور آل عبا کے بل پڑ ہے! باوجود اس کے اس بات پر مسرت ظاہر کرتا ہے کہ ان کا زور نہین رہا، جس کے یہ معنی کہ اس کو خود رسول اللہ کے دنیا مین نہ رہنے کی خوشی ہے، اس پر بھی اکتفا نہین کرتا، بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ رسولؐ اللہ کہان ہین؟ حسینؑ کہان ہین؟ علیؑ کہان ہین؟ حسنؑ کہان ہین؟ ان سب پر طرہ یہ کہ ان باتون پر خدا کے احسان کا ممنون ہے کہ اُس نے اہل بیت کو خوار و حقیر کیا، گویا یہ امر خود خدا کو پسند اور مرغوب تھا۔ اخیر کا مصرع اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے، بلاغت کی جان ہے بغور سے دیکھنے کی فرمایش اسلیے ہی کہ امام زین العابدین کے نزدیک حسین اس پایہ کے شخص تھے کہ اُن کے سر کا کاٹا جانا، اور یزید کے دربار مین حاضر کیا جانا عقل مین نہین آسکتا، اس لیے کہتا ہے کہ شک ہو تو ذرا غور سے دیکھو، ذرا کا لفظ اور زیادہ بلیغ ہے۔

مثال ۵، سہ

ٹھہرا رہے تھے سن کے یہ تاکید خاص و عام
دیکھا کیا شقی پہ نہ حر نے کیا سلام
چین بر جبین قریب گیا حر نیک نام
کافر سے کیا جھکے وہ خدا سے ہو جسکو کام
چین بر جبین قریب جو وہ شیر نر گیا
اللہ رے رعب حق پسر سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حر نامور
کتنے جوان صفون مین ہین کتنے ہین نہر پر
رن مین سوار تیرے رسالہ کے ہین کدھر
حر نے کہا کہ مجھ کو کچھ اس کی نہین خبر
دنیا مین زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
مین ہون کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

کہنے لگا یہ حر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سر بر نہ ہونگے ہم سے کبھی سرورِ حجاز
مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
اب بعد فتح اور بھی ہوگا تو سرفراز

دیر اس مین کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

جو اس مین تیری رائے وہی ہی مجھے پسند
تھوڑے بہت ہین یاور سلطان ارجمند
پانی تو تین دن سے ہی پردلیون پہ بند
پس جائینگے اُٹھائے سوارون نے جب سمند

لشکر مین یان چھ لاکھ دلاور جوان ہین
وان ایک صف ہے جس مین بہتر جوان ہین

آمادہ قتل شاہ پہ ہین سب جوان و پیر
کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر
کٹتا ہے اب سر لپسر شاہ قلعہ گیر
حر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر

انسان کو اختیار ہے خود اپنے کام مین
مجھ کو شریک کرتا ہے قتلِ امام مین

یہ وہ موقع ہے کہ حُر جو یزید کے رسالہ کا افسر تھا، اس بات پر آمادہ ہو چکا ہے کہ یزید سے ٹوٹ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آجائے، یہ خبر سپہ سالار یعنی ابن سعد کو پہونچی تو وہ حُر کو طلب کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ اسکو رام کر کے اس ارادہ سے روک لے، باوجود اس کے کہ حر کے ارادہ کی خبر سُن چکا ہے اور جب حر اسکے سامنے گیا تو سلام تک نہ کیا، تاہم ابن سعد اس تجاہل عارفانہ سے پیش آتا ہے کہ گویا اس کو اس واقعہ کی مطلق خبر نہیین، بالکل خالی الذہن ہو کر پوچھتا ہے ع رن مین سوار نیرے رسالے کے ہین کدھر؛ حُر نہایت بے پروائی اور گستاخی سے جواب دیتا ہے، ابن سعد اسکو بھی نظر انداز کرتا ہے اور اس بھرتے پر بڑھاتا ہے کہ یزید کو مدت سے تیری وفاداری پر ناز ہے، اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام کسی طرح اس معرکہ مین کامیاب نہیین ہوسکتے، پھر کس استمالت سے کہتا ہے کہ ؎

ع تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو،

ع جو اس مین تیری رائے وہی ہے مجھے پسند،

ع کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر،

گویا کوئی کام حر کے مشورہ کے بغیر کرنا نہین چاہتا، اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کی فوج نہایت کم ہے، کُل ایک صف ہے اور اسمین بھی صرف بہتّر جوان ہین، امام سے لڑنے کے لئے کہتا ہے لیکن اُن کا نام جب لیتا ہے تو کبھی سرور حجاز، کبھی سلطان ارجمند، کبھی شاہ کے لفظ سے خطاب کرتا ہے، یہ بھی استمالت کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اگر صاف صاف امام علیہ السلام کی بُرائی کیجائے تو ڈر ہے کہ حُر بالکل ہتّے سے اُکھڑ جائے۔

مثال ٦، ٩

رخصت طلب ہو شاہ سے اکبر سا لالہ فام	شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
للّٰہ روکئے نہ اب اسے خواہر امام،	وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہون ساتھ مان نہین، سر پہ پدر نہین	
مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین	

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت زینب کے دونون صاحبزادے شہید ہو چکے ہین اور حضرت عباسؑ میدان جنگ مین جانا چاہتے ہین لیکن حضرت زینبؑ روکتی ہین حضرت عباسؑ منّت اور لجاجت کرتے ہین کہ للّٰہ نہ روکئے۔

اسکے لیے کسقدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، اول تو اُن کو خواہر امام سے مخاطب کیا ہے حالانکہ وہ حضرت عباسؑ کی بھی بہن تھین، اس سے علاوہ اس کے کہ اُن کا احترام مقصود ہے خفیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آپ کو مجھ سے وہ محبت نہین جو حقیقی بھائی بہن مین ہوتی ہے، اور چونکہ درحقیقت حضرت زینبؑ اُن کی حقیقی بہن نہ تھین یہ تعریض زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر فرماتے ہین کہ مین بیکس ہون، نہ باپ سر پر ہے نہ مان ساتھ ہے، سب سے کارگر یہ فقرہ ہے کہ ع مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین، یعنی اگر آپ کا

فرزند ہوتا تو مجھکو بھی اسی طرح اجازت دیتیں جس طرح اپنے صاحبزادون کو دی اور اُنھون نے شہادت کی دولت حاصل کی ۔

مثال ۷، ص

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہیں ہے		تم ہو سو تمھیں طاقت گفتار نہیں ہے

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ منورہ سے روانہ ہو رہے ہین، تمام خاندان کو ساتھ لیا ہے، لیکن صغریٰ کو باوجود اس کے کہ آپ کی چہیتی بیٹی تھین، بیماری کی وجہ سے ساتھ نہین لیجاتے، صغریٰ نہایت گریۂ وزاری کرتی ہین اور ایک ایک سے سفارش کراتی ہین کہ مجھ کو بھی ساتھ لیتے چلئے، لیکن کوئی ہامی نہین بھرتا، اُس وقت علی اصغر سے جو شش ماہہ بچے تھے خطاب کرکے کہتی ہین کہ اسوقت میرا اور کوئی مددگار نہین ہے، ایک تم ہو لیکن افسوس تم کو بولنے کی طاقت نہیں، تمام لوگون سے مایوس ہوکر ایک بچہ کا سہارا ڈھونڈھنا اور پھر یہ خیال کہ وہ بولنے کے قابل نہین، انتہا درجہ کی حسرت اور ناکامی کی تصویر ہے ۔

مثال ۸، ص

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو بادیدۂ نم خود بڑھے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہ اُمم		جوش مین آگیا اللہ کا دریا سے کرم حُر کو یہ ہاتف غیبی نے صدا دی اسدم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر تیرے لینے کو حسین آتے ہین

اخیر شعر مین امام حسین علیہ السلام کا نام جس سادگی سے لیا ہے، کمال بلاغت ہے، اس موقع پر اگر بہت سے اوصاف کے ساتھ اُن کا نام لیا جاتا تو یہ بات حاصل نہ ہوتی، جب کوئی شخص کمالات وفضائل مین انتہا کے رتبہ تک پہونچ جاتا ہے تو اُس کے نام لینے کے ساتھ اس کے تمام اوصاف اور کمالات خیال مین آجاتے ہین ان کے سادہ نام لینے سے

اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے، نظامی نے بھی اس موقع پر اس اسلوب کو برتا ہے، دارا نے جب سکندر کو خط لکھا ہے تو سکندر کے دعوائے ہمسری پر نہایت تعجب اور افسوس ظاہر کیا ہے، اس موقع پر کہتا ہے، ؎

فلک بین چہ ظلم آشکارا کند	کہ اسکندر آہنگ دارا کند

دارا نے یہ فرض کیا ہے کہ سکندر کی حقارت اور میری جاہ و عزت اسقدر مسلمہ عام ہے کہ صرف دونون کا نام لینا کافی ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ آسمان کا یہ ظلم دیکھو! کہ سکندر دارا کے مقابلہ کا قصد کرتا ہے، لیکن یہان اس طرز بیان کا موقع نہ تھا، اس لیے سننے والون پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ دارا کے زمانہ مین ممکن ہے کہ یہ حالت رہی ہو، لیکن آج سکندر کی عظمت وشان اسقدر مسلم ہے کہ سکندر کے محض نام لینے سے اسکی حقارت کا تصور نہیں ہوتا، اسلئے شاعر (نظامی) کو چاہیئے تھا کہ وہ اور واقعات سے پہلے سکندر کی ذلت اور حقارت ثابت کرتا، تب یہ طریقۂ بیان مُوثر ہوتا، یہی موقع فردوسی کو بھی عرب و عجم کے مقابلہ مین پیش آیا، چونکہ فردوسی بلاغت کے تمام اصول سے واقف تھا اُس نے سمجھا کہ گو اُس زمانہ مین عرب کی وہی حالت تھی، لیکن جس زمانہ مین خود فردوسی موجود ہے وہ حالت بدل گئی ہے، یعنی عرب کی عظمت تمام قلوب پر چھائی ہوئی ہے، اس لئے محض عرب کے نام لینے سے سامعین کے دل مین عرب کی حقارت اور ذلت کا خیال نہین آسکتا، اس لیے اُس نے پہلے یہ بیان کیا کہ عرب اونٹ کا دودھ اور گوہ کا گوشت کھایا کرتے تھے، اِس طرح اُس نے عرب کی قدیم حالت کی تصویر کھینچ دی اور چونکہ بیان واقعی تھا اس لئے اس کا پورا اثر ہوا۔ ؎

زشیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسیدست کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اس کے ساتھ عجم کا ذکر، تخت کے ساتھ کیا، اور عجم کا نام لیا تو کیان کے لفظ سے لیا جو خود شوکت وشان پر دلالت کرتا ہے، اب جب دونون قومون کی ذلت و عظمت کا نقشہ

کھینچ چکا تو یہ الفاظ ع تفو بر تو اے چرخ گردان تفو- آج بھی سامعین کے دل مین انقلاب زمانہ پر حسرت کا وہی اثر پیدا کرتے ہین، جو اس وقت عجم کے دل مین پیدا ہوا تھا-

مثال ۹ ، حُر نے جب یزید کی فوج سے الگ ہو کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا ہے تو دور ہی سے عفو تقصیر کے لئے اس طرح فریاد کی ہے ؎

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اِک بار — الغیاث اے جگرِ و جانِ رسولِ مختار
مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار — عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفّار

پار دریاے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

اے مددگارِ مُعینُ الضُّعفَا اَدرِکنی — اے خبرگیرِ گروہِ غربا اَدرِکنی
پانون لغزش مین ہین اے دستِ خدا اَدرِکنی — ہات باندھے ہوون ہین اے عقدہ کشا اَدرِکنی

دیجیئے حُر کو سندِ نار سے آزادی کی
آئیے جلد خبر لیجئے فریادی کی

مرے اعمال ہین ہرچند سراسر ہے بدی — ہون گنہگار خدا سے ازلی و ابدی
آپ ہین مالکِ سرکارِ جنابِ احدی — اے خداوندِ جہان خُذ بیدِی خُذ بیدِی

جو تہیدست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہات
آپ کا ہاتھ زمانے مین ہے اللہ کا ہات

پھر جب جناب امام علیہ السلام نے اسکی تقصیر معاف کردی ہے اور بکمال مہربانی سے پیش آئے ہین تو ؎

حُر پکارا بابی انت و امی اے شاہ — قابل عفو نہ تھے، بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین ملجائے یہ راہ — سب ہی صدقہ انھین قدمون کا خدا ہے آگاہ

مہر ذرہ پہ جو ہو نیّر تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیماں ہو جائے

اس موقع پر میر انیس نے اپنی عادت کے خلاف، متعدد عربی جملے استعمال کیے ہیں، جو اُردو میں بظاہر غریب اور نامانوس معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان جملوں کی وجہ سے اُس وقت کی حالت کی جو تصویر کھنچ جاتی ہے، وہ اور کسی طرح ممکن نہیں دعا، استغاثہ اور فریاد کے لئے عربی جملے ایک خاص اثر رکھتے ہیں اور اس لیئے جاہل سے جاہل آدمی بھی جب دعا مانگتا ہے تو عربی ہی الفاظ استعمال کرتا ہے استغاثہ اور فریاد کے وقت بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً الامان الغیاث۔ چونکہ حُر عربی النسل ہے، اس لئے اسکی زبان سے بعینہ وہ الفاظ جو ان موقعوں پر عرب استعمال کرتے ہیں، واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے زیادہ کارگر ہو سکتے ہیں، بابی انت وامی فدا اور قربان ہونے کے موقع پر بولتے ہیں اور یہ فقرہ ایسا مؤثر اور دلنشین ہے کہ اُردو کا کوئی جملہ وہ اثر پیدا نہیں کرسکتا تھا۔

مثال ۱۰۔ حضرت عباس کو جب امام حسین علیہ السلام نے فوج کا علم عنایت فرمایا ہے، تو حضرت زینبؑ اُن سے فرماتی ہیں ؎

گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ اُمم
ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم

تب دو گی تم کو تہنیت عہدۂ علم
کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا تمھیں سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اخیر شعر میں معمولی طریقۂ کلام یہ تھا کہ مجھ کو تم سے بڑی امید ہے اور میں امام حسینؑ کو تمھیں سے لونگی، لیکن حضرت زینبؑ نے اپنے آپ کو زہراؑ کی جائی کہا، اور پھر کہا کہ بہن اپنے بھائی کو تمھیں سے لیگی، اس اسلوب کلام کے بدل دینے نے جو بلاغت پیدا کی وہ خود ظاہر ہے۔

مثال ۱۱ ؎

پُرسا تمھین شہید کا دینے کو آئے ہین	کس کس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہین
پیٹے ہین، خاک اُڑائی ہے، آنسو بہائے ہین	یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت علی اکبر شہید ہو چکے ہین اور امام حسین علیہ السلام زنانہ مین تشریف لے گئے ہین اور حضرت زینبؑ سے علی اکبر کی شہادت کا واقعہ بیان فرماتے ہین، اس موقع پر یہ لفظ "تمھارے لال" ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے، علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے لیکن امام علیہ السلام ان کو حضرت زینبؑ کا لال کہکر خطاب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ہم جو خون مین نہائے ہین، یہ تمھارے لال کا خون ہے، انسان کو رنج وغم کی حالت مین جب کوئی نہایت قریب کا عزیز ہمدرد اور غمگسار مل جاتا ہے تو جوش محبت مین اُس غم کو اپنی ذات کے ساتھ نہین بلکہ اُسی شخص کی طرف منسوب کرتا ہے، گویا اُس سے ایسی ہمدردی کی اُمید کرتا ہے کہ وہ واقعہ خود اسی شخص پر پیش آیا ہے، یہان اس طرز بیان نے زیادہ اثر اس وجہ سے پیدا کیا ہے کہ فی الواقع حضرت زینبؑ کو حضرت علی اکبرؑ سے نہایت سخت محبت تھی، علی اکبر کو بچپن سے اُنھی نے پالا تھا اور اُن کو اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین -

مثال ۱۲ - جب حضرت عباسؑ نے پانی لانے کے لئے نہر پر جانا چاہا ہر تو حضرت زینبؑ نے خطرہ کے لحاظ سے ان کو روکنا چاہا، امام حسینؑ بھی ان کا جانا گوارا نہین کرتے - اُس وقت حضرت عباسؑ کی زوجہ حضرت زینبؑ سے کہتی ہین ؎

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات	بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہر بات
مشکیزہ لیکے گر یہ نجائین سوے فرات	پھر ننھے ننھے بچون کی ہو کسطرح حیات

ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہون
آئے جو کچھ سبھون کی رضا مین تو غیر ہون

یہ فقرہ "مین تو غیر ہون" اس موقع پر نہایت مُوثر اور بلیغ فقرہ ہے، وہ حالانکہ حضرت عباسؑ کی بیوی ہین، لیکن اپنے آپ کو غیر کہتی ہین - یہ اس بات کی تعریض ہے کہ میری بات نہ ماننا گویا مجھکو غیر سمجھنا ہے -

مثال ۱۳

قید ہون ظلم رسیدہ بھی ہون نادار بھی ہون	اِس لٹے قافلہ کا قافلہ سالار بھی ہون

یہ وہ موقع ہے کہ ہند (یزید کی بیوی) قید خانہ کے دیکھنے کے لئے گئی ہے، وہان امام زین العابدینؑ کو قید مین دیکھ کر نام و نسب پوچھا ہے اور امام موصوف نے جواب دیا ہے - اِس شعر مین قافلہ کے ساتھ لُٹے کی قید نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے حسرت اور رنج کے اظہار کا یہ انتہائی درجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایک ظاہری معزز لقب سے یاد کرتا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرا لفظ بھی ایسا استعمال کرتا ہے جس سے وہ معزز لقب، اور زیادہ ناکامی اور حرمان ثابت کرتا ہے، امام زین العابدینؑ نے اپنے آپ کو قافلہ سالار کہا، لیکن یہ بھی کہدیا کہ لُٹے قافلے کا قافلہ سالار ہون -

مثال ۱۴

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوے اعدا سے امام تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام	اے سپاہِ عرب و مصروری و کوفہ و شام پسرِ مصحفِ ناطق ہون سنو مجھ سے کلام

سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

تیسرے شعر مین "مناسب ہو" کے جملۂ معترضہ نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے، چونکہ وعظ اور پند کا موقع ہے اور یزیدیون سے توقع بھی نہ تھی کہ وہ امامؑ کی کسی بات کو جو تحکم کے لہجہ مین کہی جاتی قبول کرتے - اس لئے انھین کی مرضی پر رکھا گیا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو باجون کا شور ذرا موقوف کردو -

استعارات و تشبیہات یہ چیزین حسن کلام کا زیور ہین بلکہ سچ یہ ہے کہ نظم و نثر اور تقریر و تحریر مین جو کچھ جادوگری ہے بہت کچھ انہی کی بدولت ہے، لیکن جس طرح ہر چیز جب تک نیچرل حالت مین رہتی ہے اس کا اصلی حسن قائم رہتا ہے، جب تکلف اور تصنع شروع ہوتا ہے تو اثر مین کمی آجاتی ہے، اسی طرح تشبیہ اور استعارہ مین بھی جب بقصد و تکلف غرابت اور غیر معتدل ندرت پیدا کی جاتی ہے تو اصلی اثر جاتا رہتا ہے۔

اردو کی شاعری مین جس طرح اور بہت سے بے معنی تکلفات پیدا ہوگئے ہین جنھون نے شاعری کا اصلی جوہر خاک مین ملا دیا ہے، اسی طرح تشبیہات و استعارات کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے اور لطف یہ کہ آجکل کے اہل سخن بدمذاقی سے اسی کو کمال سخن سمجھتے ہین۔

انسان مین فطرۃً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ وہ اشیا کی تصویر سے لطف اٹھاتا ہے ایک بدصورت حبشی ہمارے سامنے آئے تو ہم کو نفرت ہوگی، لیکن اگر کوئی ہو بہو اس کی تصویر کھینچدے تو ہم کو لطف آئیگا اور جسقدر وہ زیادہ اصل کے مطابق ہوگی اسی قدر طبیعت پرلطف اور استعجاب کا زیادہ اثر ہوگا۔ چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے اسلئے طبیعت کا اس سے محظوظ اور متلذذ ہونا ایک فطرتی امر ہے۔

تشبیہ کی دو قسمین ہین۔ مفرد۔ مرکب، مفرد جس طرح چہرہ کو پھول سے تشبیہ دی جائے، مرکب جس طرح کہا جائے کہ میدان جنگ مین گرد اٹھی تو اسمین تلوارین اس طرح چمکتی تھین جسطرح شب کو ستارے ٹوٹتے ہین۔

مفرد تشبیہ مین چندان جدت نہین ہوسکتی، اولاً تو اسوجہ سے کہ مفرد چیزون کیطرف ہر شخص کا خیال منتقل ہوسکتا ہے، ثانیاً مدت سے شعرا اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہین، اس لیے عالم قدرت مین جو چیزین تشبیہ کے قابل تھین اکثر کام مین آچکین مثلاً چہرہ کو پھول، آفتاب، مہتاب، آئینہ سے تشبیہ دے سکتے تھے سو سو دفعہ دے چکے، اب عالم فطرت مین کوئی نئی چیز پیدا ہو تو چہرہ کی تشبیہ مین بھی جدت پیدا ہو۔

البتہ مرکب تشبیہ مین ہر وقت جدت پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اول تو ترکیب کی ہزارون صورتین ہین، دوسرے یہ کہ چند اشیا کی ترکیب سے جو مجموعی ہیئت پیدا ہوتی ہے اُسکی طرف ہر شخص کا خیال نہین منتقل ہوسکتا۔

ایک نکتہ اور سمجھ لینے کے قابل ہے، تشبیہ کی اصلی خوبی یہ ہی کہ مشبہ کی تصویر آنکھون مین پھر جائے اور نیچرل شاعری مین جیسا کہ قدماے عرب کی شاعری تھی تمام تشبیہین اسی قسم کی ہوتی تھین، لیکن ایک مدت سے ایشیائی شاعری نیچرل حالت سے دور پڑ گئی ہے اس لئے آج اس قسم کی تشبیہات کا ڈھونڈھنا بیفائدہ ہے۔ تاہم تشبیہ کی خوبیان جس قدر میر انیس صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین اُردو زبان مین ان کی نظیر نہین مل سکتی، اُن کی تشبیہات مین جو خصوصیات ہین اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱)۔ اکثر تشبیہات مرکب ہین۔

(۲) اکثر تشبیہات قریب الفہم اور سریع الانتقال الی الذہن ہین، اور یہی تشبیہ کا بڑا کمال ہے۔

(۳) علماے معانی نے لکھا ہے کہ تشبیہ کی غرض کبھی مشبہ کی رفعت اور حسن، اور کبھی تحقیر اور ذلت، اور کبھی رعب وہیبت ہوتی ہے، یہ باتین میر انیس کی تشبیہات مین کمال کے درجہ پر پائی جاتی ہین، مثلاً حضرت عباس پر جب ہر طرف سے برچھیان چلنے لگی ہین تو اس حالت کو اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

یون برچھیان تھین چار طرف اُس جناب کے	جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

برچھیون سے زخمی ہونا شکست اور مغلوبیت کی حالت ہے، اس لئے اس کے بیان کرنے سے ذلت کا خیال پیدا ہوتا ہے، لیکن اس تشبیہ نے حالت بدل دی۔

یا مثلاً جب حضرت عباس کے دونون ہات تلوار سے کٹ کر گر پڑے اور انھون نے مشک کو دانتون سے پکڑ لیا۔ تو اس حالت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

ع مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنہ مین شکار تھا

مشکیزہ کا منہ مین لینا ایک بدنما صورت ہے، لیکن اس تشبیہ نے بدنمائی کے بجاے شان پیدا کردی -

یا مثلاً جب تمام اہلبیت ایک ہی رسن مین قید کئے گئے ہین تو اس حالت کو اس طرح بیان کیا ہے

گرد مین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن		جس طرح رشتۂ گلدستہ مین گلہائے چمن

رسی مین باندھا جانا اور وہ بھی ایک ہی رسی مین، بظاہر نہایت ذلت نما حالت تھی لیکن تشبیہ نے بدنمائی کو حسن سے بدل دیا -

یا مثلاً یہ شعر ؎

مقتل مین کیا ہجوم تھا اُس نورِ عین پر		پروانے گر رہے تھے چراغِ حسین پر

یا مثلاً ان اشعار مین تشبیہ سے دشمن کی ہیبت اور بدنمائی پیدا کی ہے ؎

کہتی تھی یہ زرہ بدن بدخصال مین		پکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال مین

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا ؎

سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب		تنّور گرم تھا شکمِ خانمان خراب
جوشِ غضب سے سرخ ہوئی چشم نابکار		مثلِ تنور منہ سے نکلنے لگا بخار

(۴) محسوسات سے جو تشبیہ دی جاتی ہے نہایت عمدہ خیال کیجاتی ہے، کیونکہ محسوسات رات دن محسوس ہوتے رہتے ہین، اس لیئے اُن کے ذکر کے ساتھ فوراً اُن کی صورت ذہن مین آجاتی ہے، اور اس لیئے مشبہ کی تصویر بھی آنکھون مین پھر جاتی ہے، اس قسم کی تشبیہات میر انیس کے ہان کثرت سے ملتی ہین، مثلاً بھاگڑ اور اضطراب کا بیان، ؎

یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے		جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

تلوار کی تعریف ؎

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آگے اوج سے	پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان	غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوے زبان

یا مثلاً دو حریف برچھیون سے ایک دوسرے پر وار کر رہے ہین اور برچھیون کی انیان باہم ٹکراتی ہین۔

ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے

اسی حالت کی ایک اور تشبیہ۔

ع شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین

تعزیہ خانے مین لوگون کا سیاہ ماتمی لباس ؎

مردم سیاہ پوش ہین سب اور گھر سفید	جیسے بیاض چشم ادھر اور اُدھر سفید

حضرت علی اکبر کا چھوٹا سا نیزہ دشمن کے بھالے سے ٹکراتا ہے،

ع غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

غیظ اور غضب کی حالت، ؎

یون غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو	جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو

ڈھال پر تلوار کو آسانی سے روک لینا، ؎

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جھول کو	جس طرح روک لے کوئی شہزور پھول کو

خزان کے موسم مین پتون کی حالت ؎

ع پتے بزنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے،

(۵) بعض جگہ تشبیہ سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی تشبیہین میر صاحب کے ہان نہایت اعلی درجہ کی پائی جاتی ہین، اگرچہ فی الحقیقت اُن سے تشبیہ کی اصلی غرض نہین حاصل ہوتی، کیونکہ مبالغہ خود ایسی چیز ہے جو اصلیت سے دور کر دیتی ہے۔

گرمی کی شدت کا بیان، ؎

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان | انگارے تھے حباب، تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان | تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبو نپہ جان

پانی تھا آگ، گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

اب ہم چند اشعار ہر قسم کی تشبیہ کے ایک جا نقل کرتے ہین، جن سے اندازہ ہوگا کہ میر صاحب نے تشبیہ مین کیا کیا لطافتین پیدا کی ہین ؎

کُہنی سے دونون ہات جدا تن سے سر جدا | ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا
ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِّ خوش آب تھا | لہرین جو تھین کرن۔ تو ہر بھنور آفتاب تھا

ع ہم لوگ زمانہ مین حباب لب جو ہین ؎

ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال | سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمین کے بال

ع چلتے مین نیزے کانپتے تھے مثل پایۂ بیر ع

یہ غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو | جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو

گھوڑے کی تعریف

سرعت مین تھا ہرن تو وغا مین ہزبر تھا | ولہ | پستی مین سیل تھا تو بلندی پہ ابر تھا
پھولون کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے | ولہ | تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے
اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کارون کی | ولہ | برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

ع لہراتی ہے کیا نہر مثال شکم مار
ع افلاک ہنڈولے کی طرح تھے تہ و بالا، ؎

یارب ترا نام پاک جپنے کے لیے | گویا اک ہڈیون کا مالا ہون مین
اُڑ کر گری زمین پہ سنان اس مکان سے | ولہ | گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے
گر میان تھی، تو تیغ دم امتحان نہ تھی | ولہ | یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زبان نہ تھی

یون جلوہ گر زرہ مین تن سرخ فام تھا ولہ گویا بچھا ہوا چمنستان مین دام تھا

چسپ ہون مگر زبان ہی وہی اپنے کام مین گویا کہ ذوالفقار علی ہے نیام مین

ناخن سنے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا ولہ شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

ع رہوار کیا، ہوا پہ سلیمان کا تخت تھا۔

ع بیٹھا ہے شیر بچہ کو ٹیکے ترائی مین سے

بالا اور اژدہون کی تشبیہ

کالی وہ ڈانڈا اور وہ چمکتی ہوئی سنان غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

ع ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

ع کھلتی تھین اور حبابون کی آنکھین جھپکتی تھین

جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا

ع اعدا کا لہو تیغ کی باچھون مین بھرا تھا

تلوارین منہ چھپائے تھین سایہ مین ڈھال کے خنجر بھی رہ گئے تھے زبانین نکال کے

غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے ولہ اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

گھوڑا

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا ولہ دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر ادھر ڈھالون کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر ادھر

حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب

تلوار

کڑیون سے یون زرہ کے نکل جاتی تھی شتاب جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب

سرکش تھے باد کبر سے جو خانمان خراب خود اُن کے گر کے ٹوٹ گئے صورت حباب

گرمی کی شدت

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب ولہ خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

تلوار کی ہیبت

ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر ولہ منہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر ادھر

بھاگی تھی موج چھوڑکے گرداب کی سپر — تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانٔون مین چھالے حباب کے

ع ہوگیا جوڑکے ہاتھون کو جلاجل خاموش سے

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا — نیزہ ہراک سوار کو اک بار دوش تھا
خاک اُڑتی تھی مُنہ پر حرم شیر خدا کے — تھا چین نہ جبین فرش بھی جھونکون سے ہوا کے

اگرچہ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صنائع ایسے بھی ہین کہ اگر بے تکلفی سے آجائین تو کلام مین حسن پیدا ہوجاتا ہے لیکن عام حالت یہ ہے کہ اکثر صنائع و بدائع شاعری اور انشا پردازی کا دیباچۂ زوال ہین۔

میرانیس جس زمانے مین تھے، شاعری کا مدار صنائع و بدائع پر رہ گیا تھا، مبالغہ ابہام اور مناسبات لفظی، یہی چیزین شاعری کا کمال خیال کیجاتی تھین، میرانیس کو انھین لوگون مین رہنا سہنا تھا، انھی سے داد سخن لینی تھی، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ انھی کی قدردانی پر معاش اور ضروریات زندگی کا انحصار تھا، ایسی حالت مین کیونکر ممکن تھا کہ وہ زمانہ کی حکومت سے آزاد رہتے، وہ جانتے تھے کہ جس شاعری کو وہ زندہ کرنا چاہتے ہین صنائع و بدائع اسکے چہرہ کے داغ ہین، لیکن اُنھون نے مجبوراً اسکو گوارا کیا، یہ صرف قیاس نہین بلکہ مستند اور صحیح روایت سے ثابت ہے، میرے ایک معزز دوست نے خود میرانیس سے پوچھا کہ کیا آپ لفظی رعایتون اور صنائع و بدائع کو پسند کرتے ہین، انھون نے جواب دیا کہ "نہین"، "لیکن آخر لکھنؤ مین رہنا ہے"، تاہم میرانیس نے یہ کیا کہ جو صنعتین محض لغو تھین، مثلاً صنعت اہمال اور لزوم مالا یلزم وغیرہ نہایت کم برتین اور جسقدر برتین اُن سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ اس جولانگاہ مین بھی وہ بھی حریفون سے پیچھے نہین، باقی صنعتون کو اُنھون نے اس طرح برتا کہ کلام کی اصلی خوبی یعنی برجستگی صفائی اور سادگی مین فرق نہ آنے پائے

ہم آن تمام صنعتون کی کچھ کچھ مثالین نقل کرتے ہین، جو میر صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین،

ایہام کے معنی یہ ہین کہ ایک لفظ کے دو معنی ہون، ایک معنی مراد ہون اور دوسرے معنی مراد نہون، لیکن مقدم اور موخر الفاظ سے اسکو مناسبت ہو، مثلاً

ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

رنگ کے دو معنی ہین، ایک تو وہی معمولی رنگ، دوسرے طرح، قسم، طرز، یہان یہی پچھلے معنی مراد ہین یعنی پھول کے مضمون کو مین سو طرح سے باندھ سکتا ہون، یہان پہلے معنی مراد نہین، لیکن گل سے اسکو مناسبت ہے، یہ صنعت اگر بہ برجستگی اور بے تکلفی سے برتی جائے تو کلام مین نہایت حسن پیدا ہو جاتا ہے، قدما مین یہ صنعت بالکل متروک تھی، سلمان ساوجی نے اسکی ابتدا کی اور اس مین نہایت غلو کیا، تاہم اکثر جگہ نہایت بے تکلفی سے بھی استعمال کیا ہے۔

سلمان کے بعد خواجہ حافظ کے کلام مین کہین کہین اسکا پتہ لگتا ہے لیکن پھر کسی نے اسکی طرف توجہ نہین کی، اُردو مین ابتدا ہی سے اسکی طرف میلان رہا، میر انیس کے زمانہ تک اسکو رواج عام ہو چکا تھا، اور یہ صنعت مضمون بندی کی ایک بڑی عمدہ صنعت خیال کی جاتی تھی، میر انیس صاحب نے بھی عوام پسندی کی بنا پر یہ صنعت نہایت کثرت سے برتی ہے لیکن اکثر جگہ نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین، ؎

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے — اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے
ہرچند کہ ہون خسرو اقلیم سخن — پر غیر دوات کچھ قلمرو مین نہین
آمد مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون — قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
کیا خوف ان کو تھر یہ گر روک ٹوک ہے — نیزہ نہین جو پاس تو ابھی نوک ہے
ہمت توڑ دیے ہین جو سو سے دیر گئی ہون — خندق کو تو دو ہاتھ مین ہین سیر گئی ہون

تلوار کی تعریف

ع - چلاتی تھین پریان کہ خدا جان بچایئے، (جان جن کو بھی کہتے ہین)

ع دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے (دم خون کو بھی کہتے ہین)

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، (دم تلوار کی باڑھ کو بھی کہتے ہین، سہ

ڈھالون کا دور برچھیون کا اوج ہو گیا		ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا،
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح	ولہ	ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح
کم نہ کچھ مرتبۂ آل عبا ہوئے گا	ولہ	عاصیون کا اسی پردہ مین بھلا ہوئیگا

ع - اک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا،

ع - غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی،

ع - سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی،

ع - ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جسکی حد نہین، (حد گناہ کی سزا کو بھی کہتے ہین)

ع - دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھ مین سہ

پیدل مین تھی نہ جان نہ دم تھا سوار مین	ولہ	ٹوٹی ہوئی صفین تھین بھلا کس قطار مین
ایسا کوئی طفلی مین نمودار نہ ہوگا ؂	ولہ	ہات ایسا تو جعفر کا بھی طیار نہ ہوگا
اللہ رے سخن کی ترے تاثیر انیس	ولہ	رو دیتے ہین مثل شمع سے جلنے والے
آکر بزم عزائے شہ مین رونا	ولہ	ہر آنکھ پہ فرض عین ہو جاتا ہے،

ع - حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے، (عربی مین رویا کے معنی خواب کے ہین)

ع - چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین، (کام فارسی مین تالو کو کہتے ہین)

ع آب بقا بھی ہو تو مرے کام کا نہین،

مبالغہ، قدما کے نزدیک مبالغہ اُس حد تک ممدوح تھا کہ کسی وصف کو ایک لطیف پیرایہ مین معمولی حالت سے کچھ بڑھ کر بیان کیا جائے، لیکن جب حد سے بڑھا تو عیب اور نقص ہوگیا، فن بلاغت کے امام ابن قدامہ نے نقد الشعر مین اسکی مثال مین ابونواس کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے۔

ع یا امین اللہ عش ابدا ۔۔۔۔۔۔۔۔ اے خدا کے امین تو ہمیشہ زندہ رہ،

امام موصوف نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا ہمیشہ زندہ رہنا ناممکن ہے، اس لیئے یہ مبالغہ معیوب اور قبیح ہے، شعراے عرب اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہتے تھے تو پہلے امکان کی شرط لگا دیتے تھے یعنی اگر یہ ممکن ہوتا تو یون ہوتا، ابو تمام کہتا ہے ؎

و لو ان مشتاقا تکلف فوق ما	فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر کوئی مشتاق اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کر سکتا، تو ممبر خود تیرے پاس چلا آتا، لیکن عرب مین بھی جب تکلف، اور تصنع زیادہ بڑھا اور صحیح مذاق مفقود ہوگیا تو مبالغہ کی یہی خوبی رہ گئی کہ مستبعد اور ناممکن ہو، اور جس قدر زیادہ ناممکن ہو، اسی قدر زیادہ اسکا کمال ہے، اب یہ حالت پہونچ گئی کہ سودا گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین؎

رو برو سے اگر آئینہ کے اُس گلگون کو	پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر	عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پائے منفک

میر انیس کے زمانہ مین، مبالغہ کمال کی حد کو پہونچ چکا تھا اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب تک مبالغہ مین انتہا درجہ کا استبعاد نہین ہوتا تھا، سامعین کو مزا نہین آتا تھا، مجبوراً امیر صاحب نے بھی وہی روش اختیار کی لیکن چونکہ ان کی اصل فطرت مین سلامت روی اور اعتدال تھا، اس لیے اس میدان مین وہ اپنے حریف مرزا دبیر سے بہت پیچھے رہ گئے، اور یہی بات ہے جسکی بنا پر اُن کے حریف کہتے ہین "کہ وہ خیال بندی اور مضمون آفرینی مین مرزا دبیر کا مقابلہ نہین کر سکتے۔

بہرحال ان کے مبالغہ کا نمونہ یہ ہے گرمی کی شدت کے بیان مین لکھتے ہین، ؎

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب تپ — کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوے تھے لب — خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
سرخی اڑی تھی پھولون سے، سبزی گیاہ سے
سایہ کنوئین مین اترا تھا، پانی کی چاہ سے

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور — جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر — خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جاے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے پاے نگاہ مین

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب — چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب — کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

شیر اٹھتے تھے نہ خوف کے مارے کچھار سے — آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے — گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پہ تھا شعلۂ جوالہ کا گمان — انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان — تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

گھوڑے کی تعریف،

اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر
ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر

کل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو
بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو

کاوے مین شکل گنبد دوار پھیر لو
نقطہ کے گرد صورت پرکار پھیر لو

دوڑے بروے آب تو پتلی بھی تر نہو
آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو

حسن التعلیل یہ ایک لطیف صنعت ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے، جو درحقیقت اسکی علت نہین، مثلاً ؎

بھلائی جو کرے دنیا مین ہووے وہ پامال
بسان جادہ کسی کو تو راہ مت بتلا

جادہ یعنی راستہ پامال ہوتا ہے، شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ راستہ لوگون سے بھلائی کرتا ہے اس لئے پامال ہے، یہ ایک قسم کی تخئیل ہے، اور اس لحاظ سے یہ صنعت عین شاعری ہے۔ کیونکہ شاعری درحقیقت تخئیل کا نام ہے، اس صنعت مین اسوقت زیادہ لطافت پیدا ہو جاتی ہے جب وہ وصف جسکی علت بیان کرنی ہے تخئیل پر مبنی ہو، مثلاً میر انیس کا یہ شعر ؎

ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب
اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب

موجون کے اضطراب، اور حباب کے سر چھپانے کی علت، ڈر اور خوف کو قرار دیا ہے؛ لیکن موج کا اضطراب، اور حباب کا پانی مین سر چھپانا، خود کوئی واقعی چیز نہین بلکہ شاعر نے موج کی حرکت کو اضطراب قرار دیا ہے، اور حباب جو ٹوٹ جاتا ہے، تو اسکو فرض کیا ہے، کہ اُس نے پانی مین مُنہ چھپا لیا، اس صنعت کو میر انیس نے اکثر جگہ نہایت خوبی سے برتا ہے،

کی شدت

ع تیغین برہنہ ہو گئی تھین چوم کر نیام ؎

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ساحل سے سر ٹپکتی تھین موجین فرات کی

یہ سُن کے تہلکہ صفِ اعدا مین پڑ گیا
ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا
ہر غول مین علم سے علم جھک کے لڑ گیا
جو رہ گیا نشان وہ خجالت سے گڑ گیا

ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
تیغین بھی نیامون سے چرائے تھین دم اپنے

تھم گیا طبل وغا کی بھی، وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھون کو جلاجل خاموش

ع اکبر سے بھی دغا مین کچھ آگے بڑھی رہی، (حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف سے)

ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر
منہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانوؤن مین چھالے حباب کے

خاک اُڑتی تھی مُنہ پر حرم شیر خدا کے
تھا چین جبین فرش بھی جھونکون سے ہوا کے

ع ڈھالون کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھین پس پشت،

صنعت طباق یعنی دو متضاد یا مقابل چیزون کو یکجا جمع کرنا، میر انیس نے اس صنعت کو اکثر برتا ہے اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ برتا ہے

ع کھلتا نہین کچھ آپ نے کیون باندھے ہین ہتیار، سے

ہات باندھے ہوے مین اے عقدہ کشا ادرکنی
پانوؤن لغزش مین ہین اے دست خدا ادرکنی

میری قدر کر اے زمین سخن
کہ مین نے تجھے آسمان کر دیا

یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہین خزان کی بہار ہے

ع گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے، سے

استادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان
پانی مین آگ آگ مین پانی خدا کی شان

ع بانو! یہ رہے یاد ہمین بھول نہ جانا،
ع فاقے سے ہمین دن کے مگر زندگی سے سیر، سے

پانی نہ تھا وضو جو کرین وہ فلک مآب	پرتھی رخون پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند	مشکل کشا کے لعل نے کھولے تمام بند

ع تو عالم و دانا ہے کہ ہین ہیچمدان ہون،

ع ثابت نہوا کب صف اول ہوئی آخر،

ع پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور،

ع قرآن مین کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہین، ؎

پیچھے کبھی قافلے سے رہنا نہ انیس	ای عمر دراز! تیری کوتاہی ہے،

ع نیزون سے کہین عقدکشا بند ہوا ہے،

مراعات النظیر یعنی الفاظ کی رعایت، یہ وہی صنعت ہے جو آج عوام کا سرمایۂ ناز ہو رہا ہے، اور جسکو مہذب ضلع جگت کہہ سکتے ہین، امانت لکھنوی اس شریعت کا پیغمبر ہے، اس کے مصحف کمال کی ایک آیت یہ ہے،

ع بھیڑیئے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پر،

منشی امیر احمد صاحب مرحوم فرماتے ہین، ؎

کبوتر نہ ہوتا تھا جانے پہ راضی	تو بھیجا اُسے روغن قازمل کر

چونکہ عوام کی تسخیر کا سب سے چلتا جادو یہی صنعت ہے، اور چونکہ لکھنؤ کی شاعری کے رگ و پے مین یہ صنعت سرایت کر گئی تھی، اس لئے میرانیس صاحب کے ہان بھی اسکی بہتات ہے، لیکن اتنی احتیاط ہے کہ ابتذال نہین آنے پاتا اور بعض جگہ تو واقعی اس سے لطف پیدا ہو جاتا ہے، فارسی شعرا نے بھی اسکو برتا ہے لیکن نہایت فصاحت کے ساتھ. مثلاً ؎

خواجہ حافظ	تا دل ہرزہ گرد من رفت بچین زلف او	زان سفر دراز خود قصد وطن سئے کند
سلمان	چشم بیمار ترا عین بلا می بینم	لیکن ابروی تو چیزیست کہ بالای بلا است

بہرحال میرانیس کی صناعی کے یہ نمونے ہین ؎

جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے نہ جائے		اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری	ولہ	پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

ع۔ آتی ہوئی مین سرون پہ ذرا فرق فرق سے، (تلوار کی زبان سے)

ع کیا مورچہ بندی تھی پئے قتل سلیمان، ؎

صفدر سے اگر اکبر مہرو نہ ملے گا		تم ہات سے جاؤگے تو بازو نہ ملیگا
فرماتے تھے حسین کہ او خانمان خراب		دریا کو خاک جانتا ہے ابن بوتراب

ع آب بقا بھی ہو تو مرے کام کا نہین،

ع یہ پھول کربلا کے بسانے کو آئے تھے،

ع کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی (تلوار) ؎

خالی نہ گیا وار کوئی تیغ دو سر کا		ہات اڑ گئے گر پانون بچا کر کوئی سرکا
اس ضعف مین لغزش سے نہ وہ پانون بھی آگاہ		پایا تھا ثبات قدم پاے یداللہ
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا		چلیے اب چوبدار مرگ آیا ہے
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے		کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے

ع نہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

ع۔ کافر جو تھا تو ہات بھی مارا جنیو کا، ؎

اب تک یہ لڑائی کے نہین ڈھنگ سے واقف

دونون مین نہین ایک بھی چورنگ سے واقف

ع، سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، ؎

والیل، والضحیٰ، رخ روشن، خط سیاہ		لعل و غزال و گل لب و رخسار و چشم شاہ
ابرو و زلف و رخ شب قدر و ہلال و ماہ		تیر و سنان و ذرہ مژہ، سرمہ و نگاہ

لف و نشر

چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں گرتی تھیں خاک پر
قبضوں سے تیغیں جسم سے روحیں تنوں سے سر

تفصیل
کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر ۔ پہلوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
قبضہ سے تیغ، بر سے زرہ، ہات سے سپر ۔ برچھی سے پھل کماں سے زرہ زین سے تبر

مہملہ

وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا ۔ معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
آگاہ ہو کس طرح کہو کس کو مارا ۔ صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا

واللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اُس دم ہوس ملکِ عدم ہو

کس کا اسد اللہ سا ہوا والد مرحوم ۔ حلال مہم مالکِ کل طاہر و معصوم
صدرِ دو سرا رحم دل و سرور مہموم ۔ آسودہ ہر اک سالک و گمراہ و محروم

معصوم کا دلدار ہو سالار امم ہو
اولاد کا اُس عالم و عادل کا الم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار ۔ اس طرح کا عالم کا ممد اور مددگار
وہ مصدر الہام احد محرم اسرار ۔ وہ اصل اصول کرم داد و دوار

حاصل اگر اک مردِ دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

تلمیع، میر صاحب نے اس صنعت کو نہایت خوبی سے برتا ہے، وہ عربی فقروں کو اس خوبی سے اشعار میں لاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے ؎

شمر پکارا یا بی انت و امی یا شاہ ۔ قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ

ع اے خداوند جہان خذ بیدی خذ بیدی سے

انصاف کا اسوقت طلبگار ہوں تم سے		ہے کون مراد آیۂ لا اسئلکم سے
انکی رانڈون مین ہے اک دخترِ فرزندِ نبی	ولہ	خوگر سینۂ دلبند رسول عربی
آفت فاقہ کشی، بے پدری، تشنہ لبی		دمبدم لب پہ یہ ہے این ابی این ابی
حامی ہے سب کا کون حیات و ممات مین	ولہ	کسکی ثنا ہے سورۂ والعادیات مین
کس کے لیے اکملت لکم دینکم آیا		اتممت علیکم کا ملا ہے کسے پایا
ہے نفسنا انفسکم کس سے اشارا		اللہ نے کس گھر مین ستارے کو اُتارا

انسانی جذبات یا احساسات

یہان تک جن محاسن کلام کا ذکر ہوا، وہ شاعری سے نہین بلکہ بلاغت سے تعلق رکھتے تھے، شاعری جس چیز کا نام ہو اسکی بحث اب شروع ہوتی ہے۔

یہ شاعری کی اصل روح رواں ہے، اور اگر مل صاحب کی راے تسلیم کی جائے تو صرف اسی چیز کا نام شاعری ہو، شاعری درحقیقت مصوری ہو اور یہ ظاہر ہو کہ مادیات و محسوسات کی تصویر کھینچنا اسقدر دشوار نہین جسقدر غیر محسوسات اور غیر مادی اشیا کا نقشہ اُتارنا مشکل ہے، ایک درخت کی تصویر کھینچنی ہو تو کسی قسم کی تخیل اور دیدہ وری کی ضرورت نہین ٹہنیان پھل، پھول، پتے سب سامنے ہین اور ہر شخص اُن کو محسوس کرسکتا ہے۔ مصور کا صرف یہ کمال ہے کہ ہر چیز کا پورا نقشہ کھینچدے۔ لیکن رنج۔ غم۔ جوش۔ محبت۔ غیظ۔ بیقراری۔ بیتابی۔ مسرت۔ خوشی، محسوس اور مادی چیزین نہین ہین۔ آنکھ ان کو محسوس نہین کرسکتی، البتہ دل پر ان کا اثر ہوتا ہے لیکن یہ اثر سب پر یکسان نہیں ہوتا۔ اسلیے ان کی ہوبہو اور اصلی تصویر اُتارنا مشکل ہے۔

میر انیس کا اصلی جوہر یہین آکر کھلتا ہے، اور یہین اُن کی شاعری کی حد، اُن کے

ہمعصرون سے بالکل الگ ہوجاتی ہے۔ انسانی جذبات کی سیکڑون قسمین ہین۔ اور پھر ہرایک کے مختلف مراتب اور مدارج ہین مثلاً جذبات انسانی کی ایک قسم محبت ہے، لیکن محبت کے بھی مختلف اقسام اور مدارج ہین۔ باپ بیٹے کی محبت، بھائی بھائی کی محبت یار آشنا کی محبت، آقا اور غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ میرانیس کے مرثیون مین نہایت کثرت سے ان کے جذبات کا اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اس کا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے،

مثال ۱۔ حضرت امام علیہ السلام نے مدینہ سے جب سفر کیا تو تمام کنبہ ساتھ تھا؛ لیکن حضرت صغراؑ چونکہ بیمار تھین، اس لیئے اُن کو ساتھ نہین لیا ہے، رخصت کے وقت جب گھر مین تشریف لائے تو چاہتے ہین کہ صغراؑ پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے، لیکن یہ راز کب چھپ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت امام حسین علیہ السلام خود صغراؑ سے رخصت ہونے کے لیئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ صغراؑ کو اصرار ہے کہ مین تنہا نہین رہ سکتی، حضرت سمجھاتے ہین کہ تم اس بیماری کی حالت مین کیونکر چل سکتی ہو، وہ نہین مانتین، اُسوقت باپ بیٹی، ماں، بھائی، بہنون پر محبت کا جو اثر ہے اور جس طرح اس کا اظہار ہوا ہے، اسکی تصویر اس طرح کھینچی ہے ؎

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے شہ عادل — تیار رہین دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی کہین آج کی منزل — رخصت کرو لوگون کو بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہین گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہین ملنے کو آئے — کہدو کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے
نادان سکینہ کہین آنسو نہ بہائے — جانے کی خبر میری نہ صغراؑ کہین پائے

ڈر ہے کہیں گھبرا کے دم اُس کا نہ نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

سنکر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری
میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
یہ کس کے لیے کرتے ہیں سب گریۂ و زاری

اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں کلیجہ نہیں سینے میں سنبھلتا
میں تو اسے لپٹاتی ہوں پہ کچھ بس نہیں چلتا
صاحب مرے دل کو ہر کوئی ہاتھوں سے ملتا
رہ جاتیں جو بہنیں بھی تو دم اُس کا بہلتا

دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھیں تو کھولو
ہم جاتے ہیں تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہولو
کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رولو

تم جنکی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر میں جو ڈھونڈوگی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہو خواہر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہیں مادر
اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر

افسوس اسی طور سے غفلت میں رہوگی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کروگی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر مین
دانستہ مین کیونکر اسے لیجاؤن سفر مین

کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوشخو — اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو — آنکھون کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
امان سے کہا مجھ مین جو حواس آئے ہین امان
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہین امان

امان نے کہا ہان وہی آئے ہین مری جان — جو کہنا ہے کہہ لو کہ یہان اور ہے سامان
دیکھو تو ادھر روتے ہین بی بی شہ ذیشان — صغرا نے کہا انکی محبت کے مین قربان
وہ کون سا سامان ہے جو یون روتے ہین بابا
کھل کر کہو کیا مجھ سے جدا ہوتے ہین بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر — نہ فرش نہ ہے مسند فرزند پیمبرؐ
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغرؑ — اجڑا ہوا لو گو نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے امان
کیا سبط پیمبر سے وطن چھٹتا ہے امان

شبیر کا منہ تکنے لگی بانوے مغموم — صغرا کے لئے رونے لگین زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم — پردہ رہا اب کیا تمھین خود ہو گیا معلوم
تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہین صغرا
ہم آج سے آوارۂ وطن ہوتے ہین صغرا

اب شہر مین اک دم بھی ٹھہرنا مجھے دشوار — مین پا بہ رکاب اور ہو تم صاحب آزار
پھر آتا ہے وہ گھر مین سفر مین جو ہو بیمار — تکلیف تمھین دون یہ مناسب نہین زنہار

غربت مین بشر کے لیئے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لون چلتی ہی خاک اڑتی ہی گرمی کے ہین ایام
جنگل میں نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام
دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام
صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہی مجھے انکار
پانی جو کہین راہ مین مانگون تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہین کرنے کی یہ بیمار
تبرید فقط آپکا ہے شربت دیدار
گرمی مین بھی راحت سے گذر جائیگی بابا
آئے گا پسینہ تپ اُتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر مُنہ سے کہون درد ہے سر مین
اُف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر مین
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر مین
ہو جانا خفا راہ مین گر روئے گی صغراؑ
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئیگی صغراؑ

وہ بات نہوگی کہ جو بے چین ہو مادر
ہر صبح مین پی لونگی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی مین رہینگے علی اصغرؑ
لونڈی ہون سکینہؑ کی نہ سمجھو مجھے دختر
مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہی مرے حال سے اللہ
مین کہہ نہین سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائیگا یہ راز بھی گو تم نہین آگاہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہو چاہ

ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہون صغراؑ
ہے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہون صغرا

اے نور بصر آنکھون پہ لیکر تجھے چلتا
تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے مین سنبھلتا
جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہین سکتا
دانستہ تمھین ہاتھ سے مین کھو نہین سکتا

منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیان تھا کہ چلین آپ مٹے ہم
مان کہتی تھی مختار ہین بی بی شہ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اسدم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہین صغراؑ
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہین صغراؑ

صغراؑ نے کہا کوئی کسی کا نہین زنہار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مرجائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
اک ہم ہین کہ ہین سب پہ فدا سب کے ہین غمخوار
بیزار ہین سب ایک بھی شفقت نہین کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہین کرتا

ہمشیر کے عاشق ہین سلامت رہین اکبرؑ
اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
مین گھر مین تڑپتی ہوں وہ ہین صبح سے باہر
وہ کیا کرین برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نہ بھائیون کو دھیان نہ بہنون کو خبر ہے

کیاان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
مین کون ؟ جو صورت مجھے دکھلانیکو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹا لینے کو آتے
زلفین جو الجھتین تو سلجھانے کو آتے

کل تک تو مرے حال پریشان پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہین عباس دلاور
سرسبز رہے خلق مین نو بادہ شبر
مین کون ہون جو میری خبر پوچھتے آکر
شادی مین بلائین مجھے یہ بھی نہین باور

بے دولھا بنے منہ کو چھپاتے ہین ابھی سے
مین جیتی ہون اور آنکھ چراتے ہین ابھی سے

کس سے کہون اس درد کو مین بیکس و رنجور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی مین ہون مجبور
بہنین بھی الگ مجھ سے ہین اور بھائی بھی ہین دور
ہمراہی بیمار کسی کو نہین منظور

دنیا سے سفر رنج و مصیبت مین لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت مین لکھا تھا

سب بیبیان رونے لگین سن سن کے یہ تقریر
لو صبر کرو کوچ مین اب ہوتی ہے تاخیر
چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیر
منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ
اکبر کو بلاؤ علی اصغر کو بھی لاؤ
روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ

چلتے ہوئے بھی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انھین کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر
چلانے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر
کیا مجھ سے خفا ہو گئین صغرا مری تقصیر
مجھ سب برادر ترے قربان یہ شبیر

صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفون پہ وارے مجھے کوئی

رخسارو نپہ سبزے کے نکلنے کے مین صدقے
تلوار لئے شان سے چلنے کے مین صدقے
افسوس ہے ان ہاتھون کے ملنے کے مین صدقے
کیون روتے ہو اشک آنکھون کے ڈھلنے کے مین صدقے

جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہین بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

پیارے مرے بھیا مرے سرور علی اکبرؑ
چھپ جائینگے آنکھون سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ
ڈھونڈھینگی یہ آنکھین تمھین ہر سو علی اکبرؑ

دل سینے مین کیونکر تہ و بالا نہ رہیگا
جب چاند چھپے گا تو اُجالا نہ رہیگا

کیا گزریگی جب گھر سے چلے جاؤگے بھائی
کیسے مجھے ہر بات مین یاد آؤگے بھائی
تشریف خدا جانیے کب لاؤگے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمین پاؤگے بھائی

کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہون
تم آج مسافر ہو تو کل ہم سفری ہین

ہان سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہین جانا
صحت سے جو ہین اُن مین کہان میرا ٹھکانا
بھیا جو اب آنا تو مری قبر پر آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہین گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

مان بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا
کُنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتے ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری
اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان سے گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان سے گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی
تب ہی تمھین چھاتی سے مین لپٹا نہین سکتی
رکھ لون تمھین امان کو بھی سمجھا نہین سکتی

بے کس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

معصوم نے جس دم یہ سُنی درد کی گفتار
لے لے کے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار
صغرا کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اِک بار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دن مین گذر جائیگی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

مثال ۲ - انھی واقعات کو ایک دوسرے موقعہ پر لکھا ہے،

باتین یہ ابھی تھین کہ شہ بحر و بر آئے
مان بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے
دیکھا رُخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
روتے ہوئے تشریف شہ دین وہین لائے

بیٹی شہ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اس کے قریب آ کے یہ کہنے لگے حضرت
بیٹھو کہ ابھی اٹھنے کی تم مین نہین طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
کیون رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ مین جو کراہی تھین تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھین تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت دے تمھین حق یہی بابا کی دعا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے، بلا ہے،
کیا جانیے شبیر کی تقدیر مین کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ مین تمھین پاتا ہون صغرا
اس رنج سے مین اور گھلا جاتا ہون صغرا

ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہین راہ مین آزار
کیا نرگسی آنکھون سے نقاہت ہو نمودار
سب زرد ہوا ازمان حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہین پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہین پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر
بی بی کہو محمل مین چڑھا جائے گا کیونکر
گھر مین تمھین پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر
تم جانے کے قابل نہین مین رہ نہین سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہین سکتا

گھر مین تمھین چھوڑون یہ نہین دل کو گوارا
لیجاؤن تو بچنا نہین ممکن ہے تمھارا
بچون مین کوئی تم سے زیادہ نہین پیارا
مجبور ہون بے صبر نہین اب کوئی چارا
فرقت مین سدا نالہ و فریاد کرونگا
اترونگا جو منزل پہ تمھین یاد کرونگا

صغرا نے کہا آپکی اُلفت کے مین قربان
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائیگا سامان
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیان
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان
جس پر نظرِ لطفِ مسیحِ دوسرا ہو
برسون کا ہو بیمار تو اک دم مین شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے منہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

کیون روتے ہو بابا یہ تردد کی نہین جا
پہلے سے کہے دیتی ہون اے سید والا
سب سہل ہے کچھ مجھکو نہین ہونے کی ایذا
ہین خانۂ ویران مین نہین رہنے کی تنہا
اب روح مرے جسم مین گھبراتی ہے بابا
ان باتون سے کچھ بوے فراق آتی ہے بابا

مر جاؤنگی بچھڑی جو مسیحِ دوسرا سے
کٹ جائیگا اندوہ سفر فضلِ خدا سے
صحت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دُعا سے
بیماری مین جان آئیگی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہین روؤنگی نہ غم کھاؤنگی بابا
لیٹی ہوئی محمل مین چلی جاؤنگی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہین آگاہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ
مجبور نکلتا ہون مین اس شہر سے واللہ
بیمار ہو کس طرح سے لیجاؤن تمہین آہ
آزار رسیدہ ہون گرفتار بلا ہون
گھر چھوڑ کے جلادون کی سرحد مین چلا ہون

وہ صعب پہاڑون کا سفر اور وہ کڑے کوس
ایک ایک قدم رنج و الم حسرت و افسوس
دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ہوتا نہین جز خار کوئی آکے قدمبوس
آرام کہین راہ مین جا نہین ملتا
جنگل ہین وہ پُر ہَول کہ پانی نہین ملتا

تھوڑے ہی دنون ہوئیگی کنبے سے جدائی
کی مجھ سے نہ گر کوفے کی خلقت نے بُرائی
پردیس سے آکر تمھین لے جائینگے بھائی
ممکن ہے کہ مین اور نہ کرون وعدہ وفائی
خوش ہونگا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی
مرجاؤن گا جب مین تو نہ کیا صبر کروگی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہے گھر مین
اک جوش ہوا آنسوؤن کا دیدۂ تر مین
بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین
شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اُس کو

تھراتی ہوئی اُٹھ کے گری شہ کے قدم پر
تنہائی مین بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
کی عرض کہ مرجاؤنگی یا سبط پیمبرؑ
سب بیٹیان ہین کیا مین نہین آپکی دختر
بے آپ کے اِس گھر مین نہ یا شاہ رہونگی
اچھا مین کنیزون ہی کے ہمراہ رہونگی

سب رونے لگے سن کے یہ بیمار کی تقریر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
چلائی سکینہ کہ مین صدقے مری ہمشیر
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوئے دلگیر
کم سن ہین مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل بھی کڑی ہے

یہ سُنتے ہی بس ماں کی تو چھاتی اُمنڈ آئی — چلّائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی — مرجانے سے کچھ کم نہیں صغراؑ کی جدائی
گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانیے کیا ہو

آغاز سفر میں تو یہ ماتم ہے یہ کہرام — کیا دیکھیں دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہاں راحت و آرام — ماں روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام
بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہ ہو بر میں
بھولیگی وہ؟ چھوڑینگے اکیلا جسے گھر میں

صغراؑ نے کہا آپ کی باتوں کے میں قربان — تم جان بچا لو کہ میں لونڈی ہوں پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان — جیتی رہی صغراؑ تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریۂ و زاری نہیں کرتیں
اماں تو سفارش بھی ہماری نہیں کرتیں

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں وہ جائینگی ہمراہ — کیا انس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ — سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
ہیں قبر میں جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار — ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار — کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا — ہے ہے مری راحت کی بنا مین خلل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا — کیا خوب مرے نخل تمنا مین پھل آیا

دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے مین نہین کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت مین جو کام آئے — مین سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
اس راہ مین ہمراہ کنیزین تو ہون لے وائے — کہنے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے

بیماری مزمن مین دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی مین رونے سے اتر جائیگی یہ تپ — ہان درد بھی سر مین مرے ہوئیگا نہین اب
تڑپونگی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب — بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن مین
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن مین

تنہائی مین شدت بھی نہوگی خفقان کی — بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکان کی
تڑپونگی نہ فرقت مین امام دو جہان کی — شفقت مجھے یاد آئیگی بہنون کی نہ ماں کی

فرقت مین مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
مین گھر مین نہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہین کرون کس کی شکایت — بابا کی یہ تقریر ہے بہنون کی یہ صورت
چھوڑا ہمین بس دیکھ لی اماں کی محبت — بولین نہ پھوپی جان بھی کچھ واہ ری قسمت

فرقت کا الم میرے کلیجہ کو چھری ہے
سب اچھے ہین لوگو مری تقدیر بری ہے

عاشق مرے مشہور ہین بھیا کے ہین واری — دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنین گریۂ وزاری — ہین کون؟ سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹّی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

اُسوقت محبت مری ہوجائیگی حالی — جب راہ مین خط پڑھکے کہینگے شہ عالی
لو مر گئی کنبے کی جو تھی چاہنے والی — آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہوگیا خالی
قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر مین
وہ قبر مین سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر مین

پھر ہم نہین ملنے کے کوئی لاکھ ہو جویا — سب روکے کہین گے کہ اسے ہاتھ سے کھویا
عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر مین سویا — کیا نفع اُسے کوئی کڑھا یا کوئی رویا
پُرسے کے لئے جمع ہوے لوگ تو پھر کیا
پردیس مین کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا

یان ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوے اکبرؑ — سرخ آنکھین تھین اور زرد تھا غم سے رخ انور
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر — اس سینے کے ان ہاتھون کے قربان یہ خواہر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمین تم سے جدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ — وہ دن ہون کہ پھر خیر سے اس شہر مین آؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمین پاؤ — صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کیے جاؤ
عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ مین مجھکو نہ بھلا دیجیو بھائی

روتے کا اُدھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری — تیار ہے ناموس محمد کی سواری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری — کیا دیر ہے اب آئے یداللہ کی پیاری
ہر بار قناتوں کے قریب آتے ہیں عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہیں عباسؑ

شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہیں صغراؑ — جلد آتے ہیں یا خود تمھیں بلواتے ہیں صغراؑ
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغراؑ — جان اپنی نہ کھونا تمھیں سمجھاتے ہیں صغراؑ
قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجیو
بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کیجیو

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم — ناموس محمد بھی چلے ساتھ بصد غم
صغراؑ بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم — ہمسائیاں باندھے ہوئے تھیں حلقۂ ماتم
راحت تھی جو سب کو شہِ ذیجاہ کے دم سے
اک پیٹتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے

غل تھا شہ ابرار! خدا حافظ و ناصر — رانڈوں کے مددگار! خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار! خدا حافظ و ناصر — محتاجوں کے غمخوار! خدا حافظ و ناصر
دکھ فاقوں کے غربت کے الم کس سے کہینگے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہینگے

صغراؑ کو نقاہت سے نہ تھی طاقت رفتار — اُٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار
جس ناقے پہ تھی بانوئے ناشاد دل افگار — اُس ناقے کے پاس آکے یہ چلائی وہ بیمار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
اماں مجھے اصغر کو پھر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی سن کر یہ خبر بانوئے بے پر
پردے سے جگر بند کا منہ کر دیا باہر
بیٹی سے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھکر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغرؑ
منہ زرد ہے رخساروں پہ آنسو بھی بہے ہین
یہ نرگسی آنکھون سے تمھین دیکھ رہے ہین

تھراتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے میں واری
آخر کوئی دن مین ہی بس اب موت ہماری
بھیّا نہین جینے کی مین فرقت مین تمھاری
جب آکے پھر اس جھولے کو آباد کروگے
تم بھی مری گودی کو بہت یاد کروگے

عباسؑ سے شہ نے کہا اے ثانی حیدرؑ
مر جائیگی اب فاطمہ صغراؑ مری دختر
حمالون سے کہدو کہ بڑھین اونٹون کو لیکر
اسواریون کے ساتھ رہین قاسمؑ و اکبرؑ
احباب جو روتے ہین تو غم کھاتے ہین ہم بھی
سب شہر کے ناکے پہ تمھین آتے ہین ہم بھی

مثال ۳ - حضرت علی اکبرؑ کی رخصت اور باپ مان کی حالت ۵

ہو منو مرنے کو ہمشکل نبیؐ جاتا ہے
دولتِ بانوئے بیکس پہ زوال آتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے مین تھراتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے
مان تڑپتی ہے شہ جن و بشر روتے ہین
کس جوان بیٹے سے مان باپ جدا ہوتے ہین

بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
ہوتی ہے دولتِ فرزند پیمبرؐ برباد
کرتے ہین اپنی جوانی علی اکبرؑ برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد

داغ اولاد ہے یاں صبر کا مقدور نہیں
پہلے فرزند سے مرجائیں تو کچھ دور نہیں

ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے
گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اُجیالا ہے
تفرقہ چرخ ستمگر نے عجب ڈالا ہے
کیا کریں صبر کلیجہ بھی تہ و بالا ہے
دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
روح ماں باپ کے قالب سے جُدا ہوتی ہے

داغِ اولاد نہیں آہ اُٹھایا جاتا
ایسا بیٹا نہیں ہاتھوں سے گنوایا جاتا
درد وہ ہے کہ زباں پر نہیں لایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہیں کھایا جاتا
داغِ فرزند حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھو
نوجواں بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

سوچیں سب صاحب اولاد کہ کیا مشکل ہے
تا کجا صبر کہ ماں باپ کا آخر دل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے
زخم اکبر نے نہیں کھائے یہ ماں بسمل ہے
پار جب سینے سے برچھی کی انی ہووےگی
کیا غضب ہووےگا کیا سینہ زنی ہووےگی

باندھتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم میں نہیں دم
شان سے شانے پہ رکھتا ہے کماں وہ ضیغم
تیر غم لگتے ہیں مادر کے جگر پر پیہم
تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہاں ساماں ہے
چار پارا ہے جگر ماں کا پدر حیراں ہے

واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے
اُسکو راحت ہو تو ماں باپ کو بھی راحت ہے
نوجواں بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے
زندگی تلخ ہو پھر جینے کی کیا لذت ہے

اُس کا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہمشکل نبیؐ سا بیٹا

ہین مسین بھیگتی اٹھارہ برس کا ہی سن
رنج مین کاٹی ہین دکھ درد کی راتین گن گن
منتین مانی ہین مادر نے مرادون کے ہین دن
پالنے والی کو چین آئے گا کیونکر اُس بن

ماں کو حسرت ہے دُلھن بیاہ کے گھر لانیکی
فکریان عین جوانی مین ہے مرجانے کی

ماں کو منظور ہے جاوے نہ کہین نور نظر
باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر
سیدھی ہو سکتی نہین خم ہوئی جاتی ہے کمر

بھائی کے واسطے قاسمؑ کی دُلھن روتی ہے
پکڑے دامان قبا چھوٹی بہن روتی ہے

رن کو جانے کیلئے بانو کے جائے ہین کھڑے
ہاتھ جوڑے ہوئے گردن کو جھکائے ہین کھڑے
شوق ہے جنگ کا ہتھیار لگائے ہین کھڑے
ماں سے مرنے کے لئے آنکھ چرائے ہین کھڑے

شاہ خاموش ہین پر بول نہین سکتے ہین
کبھی بانوؑ کا کبھی بیٹے کا منہ تکتے ہین

دل سے فرماتے ہین یہ دیکھئے اب ہوتا ہے کیا
صبر کی جا نہین ہوتا ہے پسر ماں سے جُدا
بانوؑ دیتی ہے کہ بیٹے کو نہین دیتی رضا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا

جسم کانپیگا قلق ہوگا غش آجائیگا
حرف رخصت کا نہ بانوؑ سے سُنا جائیگا

بانوؑ کہتی ہے کہ کیا کہتے ہین اکبرؑ یا شاہ
دیکھتی ہون مین کہ حضرت کی بھی حالت ہے تباہ
انکے جو دل مین ہے کچھ آپ ہین اُس سے آگاہ
ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھ سے تو کہیئے للہ

منہ سے کچھ کہتے نہین پاس ادب کرتے ہین
کونسی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہین

شاہ فرماتے ہین بانو سے کہ ای نیک نہاد
پوچھو اکبر سے کہین گے جو کچھ انکی ہے مراد
رازدان ہوتی ہے ماں بیٹے کی بابا سے زیاد
حق نہ ماں باپ کو دکھلائے فراق اولاد

تھا مقدر رہین کہ سب ہو وین جدا ہم دیکھین
اب بھی اُٹھ جائین جہان سے تو نہ یہ غم دیکھین

سُن کے یہ بانو نے فرزند سے پوچھا رو رو
ہاتھ کیون جوڑے ہوان ہاتھون کے ماں صدقے ہو
کیا کہا چاہتے ہو ماں سے تو ای لال کہو
کہا اکبر نے رضا مرنے کی اماں ہمین دو

صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہون گے ہم
دودھ بخشو ہمین بابا پہ فدا ہون گے ہم

یہ سخن سنتے ہی فرزند سے ماں ہو گئی زرد
مردنی پھر گئی چہرے پہ اُٹھا دل مین درد
دھیان آیا کہ چلا ہاے پسر بہر نبرد
دیکھ مُنہ بیٹے کا کہنے لگی بھر کر دم سرد

تم سے بچھڑونگی تو واری مین کدھر جاؤنگی
پھر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مر جاؤنگی

کہا اکبر نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت
میرے بابا سے ہوے بھائی بھتیجے رخصت
خیر مرنے کو نہ جاوینگے نہ لیجے رخصت
مجکو بھی دھیان یہ تھا آپ سے لیجے رخصت

ماں سے فرزند کو تکرار کا کیا یارا ہے
تابع حکم ہین ہم زور ہمارا کیا ہے

سب نے قربان کئے زہرا کے پسر پر فرزند
مین نے چاہا تھا کہ ہو آپکا بھی نام بلند
کٹ گئے تیغون سے کس کس کے جگر کے پیوند
پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری عرض پسند

آپ کہتی ہین نہ جاؤ تو نجاوین گے ہم
اپنے ہمچشموں کو پھر منہ نہ دکھاوین گے ہم

جائیے گا سوے یثرب تو نہ جائے گا غلام
خیمے کے لوٹنے کو آئے گا جب لشکر شام
کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
قید ہم ہونگے کہ لڑنے کا یہی ہے ہنگام
آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

آج جو مرتے تو داخل شہدا مین ہوتے
لاش پر کہتے ملک ہاے علیؑ کے پوتے
پائینتی باپ کے آرام سے رن مین سوتے
حشر تک ہم کو عزادار جہان مین روتے
جو ہے منظور ہمین آپ کو منظور نہین
اب بھی فرماؤ تو میدانِ وغا دور نہین

بولی مان ہوگئے آزردہ مین واری بیٹیا
باپ پیارا ہے تمھین مان نہین پیاری بیٹیا
گلہ آمیز یہ باتین ہین تمھاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہین فکر ہماری بیٹیا
پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

علی اکبرؑ مری محنت کی طرف دھیان کرو
چھوڑ کر مان کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
امان واری مری بستی کو نہ ویران کرو
پھر فدا ہو جیو پہلے مجھے قربان کرو
مرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹیا!
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھالو بیٹیا!

مان کی تقریر سے مایوس ہوے جب اکبرؑ
رکھدی تلوار لگے کھولنے ہاتھون سے کمر
اشک آنکھون سے بہے چاند سے رخسارون پر
بانو گھبرا گئی ٹکرے ہوا زینبؑ کا جگر

لے کے بیٹے کی بلائیں کہا کیوں روتے ہو
لو نہ روونگی مین کاہے کو خفا ہوتے ہو

روکے کہنے لگے بیٹے سے امام خوش خو — مان تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہو
پھر کہا بانوؑ سے اب مرنے کی رخصت انھین دو — تھا مقدر مین یہی صبر کرو شکر کرو
یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجہ میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تم نے اٹھارہ برس کھینچے ہین گو رنج و تعب — بانوؑ پر خواہش تقدیر سے ناچار ہین سب
اس کا مین کون ہون تم کون ہو جو مرضی رب — زور کیا جسکی امانت ہے وہ کرتا ہے طلب
اب نہین جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے
خلق مین داغ دکھانے کو ہمین آئے تھے

شہ نے سمجھایا تو بانوؑ نے کہا یہ رو کر — کیون کمر کھولتے ہو غصے سے صدقے مادر
مان سے چلتے ہوے آزردہ نجاؤ اکبرؑ — خیر جو مرضی ہے اچھا کرو دنیا سے سفر
اب تو راضی ہوے مادر سے مین واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائین لون تمھاری بیٹا

سن کے مان سے یہ سخن قدمون پہ فرزند گرا — عرض کی آپ سے روٹھون مرا مقدور ہے کیا
مان نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا — جاؤ رخصت بھی کیا دودھ بھی تم کو بخشا
غم نہ کھانا کہ یہ مان رو رو کے مر جائیگی
ساتھ دو باپ کا مان کی بھی گذر جائیگی

کہکے یہ روئی جوان بیٹے کو چھاتی سے لگا — غش ہوا بانوؑ نے دی مرنے کی اکبرؑ کو رضا
خاک پر سید سجاد نے سر دے ٹپکا — رو کے چلانے لگین بہنین کہ ہے ہے بھیا

کچھ زبان سے علی اصغرؑ جو نہ کہہ سکتا تھا
جھولے سے رو رو کے بھائی کی طرف تکتا تھا

کہتی تھی پیٹ کے سر زینبؑ مضطر ہے ہے
بانوؑ لوٹی گئی برباد ہوا گھر ہے ہے
نوجوان مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
ہم سے پردیس میں چھوٹے علی اکبرؑ ہے ہے

پاس کوئی نہیں تنہا شہ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

چھوڑ کر روتا انھیں خیمے سے اکبرؑ نکلے
پر عجب حال سے ہمشکل پیمبر نکلے
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
مڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے

ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی

در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب
فدوی اسوار ہو لیجائیں جو تشریف جناب
جوڑ کر ہات کہا شاہ سے با چشم پر آب
بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ میں تھاموں گا رکاب

باپ نے پاؤں کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندھے پر چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا

مثال ۴۔ حضرت امام زین العابدینؑ اپنے بھائی علی اکبرؑ کو رخصت کر رہے ہیں، سہ

فضہ سے کہا کیا ہوا کیسی ہے یہ زاری
شبیرؑ اکیلے ہیں غضب ہو گیا واری
سر پیٹ کے وہ خادمۂ خاص پکاری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبرؑ کی سواری

ماں خاک اڑاتی ہے پھوپی غش میں پڑی ہیں
سب بیبیاں حلقہ کیے گرد ان کے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لا کہ برادر سے مل آئین — غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئین
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئین — شبیرؑ کے پیارے علی اکبرؑ سے مل آئین
بھائی کا نہین کوچ پہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلین گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

غصہ نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا — بستر سے اٹھا کانپ کے وہ گیسوؤن والا
خم ہو گیا تھا، درد کمر سے قد والا — تھرا کے پڑا پاؤن کہین اور کہین ڈالا
اشک آنکھون سے بہتے تھے گریبان قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر

آواز حزین تھی کہ میری جان برادر — بیمار برادر، ترے قربان برادر
ہم آتے ہین ٹھہرے رہو اک آن برادر — ذی قدر برادر مرے ذی شان برادر
بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوے جاؤ
ہم روئین تمھین، تم ہمین روتے ہوے جاؤ

عابدؑ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبرؑ — آنکھون کو ملا ہاتھون سے قدمون پہ رکھا سر
سجادؑ نے فرمایا کلیجے سے لگا کر — گردن مین مرے ڈال دو باہون کو برادر
شانے کے قرین زلف معنبر رہے بھائی
چہرہ مرے چہرہ کے برابر رہے بھائی

اے روشنیٔ خانۂ زہراؑ ترے صدقے — اے باپ کے عاشق مرے شیدا ترے صدقے
اے تشنہ لب اے بیکس و تنہا ترے صدقے — اے رہرو فردوس معلا ترے صدقے
گھر آج اجڑتا ہے لٹے جاتے ہین بھائی
ہم قافلہ والون سے چھٹے جاتے ہین بھائی

مثال ۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام بہن، بیٹی اور بیوی سے رخصت ہوتے ہین ؎

روتے ہوئے حرم مین گئے قبلۂ انام
ترتھی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
رخ زرد دل مین درد بدن سرد تشنہ کام
طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام
یہ درد تھا بکا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے
لائی حرم سرا مین بہن ہاتھ تھام کے
تھراتے تھے پاؤن شہ تشنہ کام کے
سر دوش پر تھا زینب عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علیؑ اکبر گذر گئے
ہم ایسے سخت جاں تھے کہ ابتک نہ مر گئے

پرسا تمھین شہید کا دینے کو آئے ہین
کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہین
پیٹے ہین خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہین
یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود مین
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود مین

سر بار دوش ہے ہمین رخصت کرو بہن
اب عنقریب خیمۂ عصمت ہین تیغ زن
مردے پڑے ہوئے ہین عزیزونکے بے کفن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن
محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی نہو علیؑ اکبر کی روح سے

یہ سن کے بی بیون کے جگر پر چھری چلی
زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سرخفی جہان کے ہین سب آپ پہ چلی
جاتا ہے سرکشون مین یہ کونین کا ولی

بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے مین کد کرو
فرزند فاطمہ کی بلاؤن کو رد کرو
دریا کو چھین لو حق زہرا سند کرو
یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو
پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر مین
حصہ پسر کا کیا نہین مادر کے مہر مین

یا مصطفےٰ بلا مین پھنسا ہے تمھارا لال
یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انھین جلال
یا فاطمہ لٹتی ہون بکھراؤ سر کے بال
یارب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہون
بھائی کو اپنے لے کے مین جنگل مین جا رہون

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمھین
خالق کی یاد سرّ و علن[1] چاہیے تمھین
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمھین
جو مان کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھین
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تمکو مجھ سے محبت ہے اے بہن
کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمھارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یاد حق کبھی گو حال غیر ہو
اُسکی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکھا یہ کہکے بالی سکینہ کو پاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردون اساس سے

[1] یعنی پوشیدہ و ظاہر ۱۲

طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند یاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں سفر ناگزیر ہے
آؤ گلے لگو نہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوئے قرب خدائے قدیر ہے
تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سُن کر مصیبت پدر بیکس و حزین
بولی بلائیں باپ کی لے کر وہ مہ جبین
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امام دین
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں ؛
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نہ سوار
اس دشت کین میں قید ہے احمدؐ کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہیں
سر کاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

عمو تمھارے چھوڑ گئے ہم کو جان بلب
بی بی قدم پہ گر کے ہمیں کون روکے اب؟
تلواریں چل گئیں بنے قاسمؑ پہ بے سبب
مرنا شباب میں علی اکبرؑ کا ہے غضب
تھے جتنے زندگی کے حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں لُٹ گئے

بی بی یہاں سے اہل وطن ہیں قریب تر
پر میری بیکسی کی نہیں ایک کو خبر

بھیجے ہین شیعان مین نے بھی نامہ بر لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گذر

قریون سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر نبی اسد کا قریب آکے پھر گیا

گھیرا ہے اس لئے مجھے اس بن مین بیگناہ تا مجھ تک آ سکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
نہ دوست، نہ عزیز، نہ غمخواہ، نہ سپاہ ہمراہی سب عدم مین، وطن دور، گھر تباہ

مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پر نہ ہو
مر کر نہ دفن ہون تو کسی کو خبر نہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہو ادھر ضد کرکے روئیو نہ ہمین چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شب فرقتِ پدر سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھکے سر

راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام تبلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھون سے خون بہا کے یہ کہنے لگے امام کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام

بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بندے اتارو طوق بڑھاؤ پدر نثار چھپنا کہین جو لوٹنے آئین ستم شعار
چلائیو نہ ابن ابی کہہ کے بار بار دشمن ہمارے نام کا ہے شمر نابکار

لو الوداع جاتے ہین اب قتل گاہ مین
سونپا تمہین خدا و نبی کی پناہ مین

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا ادھر ادھر پوچھا کدھر ہین بانوئے ناشاد نوحہ گر

فضہ نے عرض کی کہ اُدھر پیٹتی ہین سر — رخصت کی بھی حضور کے اُن کو نہین خبر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبرؑ کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تھی لا کے لاش پسر آپ نے جہان — مُنہ اس زمین پہ ملتی ہین اور ہے لبون پہ جان
کرتی ہین اُٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسمان — نعرہ یہ ہے کہ ہاے علی اکبرؑ جوان
واری گئی نہ قبر مین امان کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے وہان جو گئے شاہ خوشخصال — دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوئے ہین بال
شبیرؑ بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال — ای شہربانوؑ ہوش مین آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دُکھ دکھائے ہین
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سُنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر — کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
تنہا حضور آئے ہین باندھے ہوئے کمر — صاحب کہان ہے منتون والا مرا پسر
ایسے نہین وہ دُکھ مین جدا ہون جو باپ سے
اپنے مرادون والے کو مین لونگی آپ سے

اے جان فاطمہؑ مرا پیارا کہان گیا — امان کی زندگی کا سہارا کہان گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کہان گیا — سیدانیون کی آنکھون کا تارا کہان گیا
مرتی ہون اپنے سرو سہی قد کو دیکھ لون
اک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لون

وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائین پھر — لے لون مین گیسوؤن کی بلائین تو جائین پھر

مجھکو تو خیریت سے غرض ہو نہ آئین پھر — خوشبو مین تن کی سونگھ لون جنگل بسائین پھر

تڑپے گا دل تو لیکے اجازت حضور سے
مین دیکھ لونگی در پہ کھڑے ہو کے دور سے

بیخود تھی مین جب آئے تھے میدان سے وہ ادھر — کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا ذرا جو دل تو پھڑکنے لگا جگر — کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہین خبر

آئے تو چھپ کے آئے گئے بے ملے ہوئے
باتین نہ پیار کی ہوئین نہ کچھ گلے ہوئے

گر ہین خفا تو آئین ہین اُٹھ کر نثار ہون — اُنکی خطا نہین ہے مین تقصیر وار ہون
دائی ہون اُنکی آپ کی خدمت گزار ہون — اب رحم کیجئے کہ بہت بے قرار ہون

تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو
لے آئیے منا کے مرے نور عین کو

باتین یہ سن کے کہنے لگے شاہ بحر و بر — یا رب جدا نہو کسی مان سے جوان پسر
بانو کسے بلاؤن؟ کہان ہے وہ سیمبر؟ — ہمشکل مصطفے تو گئے جان سے گذر

ہر دکھ مین صبر کرتے ہین جو حق شناس ہین
جس نے تمھین دیا تھا وہ اب اُسکے پاس ہین

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی اُنھین — ہے ہے منافقون کی نظر کھا گئی اُنھین
مخفی بہت کیا پہ اجل پا گئی اُنھین — صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی اُنھین

زندہ نہو گا لال اگر مر بھی جاؤ گی
اب تو کوئی گھڑی مین ہمین بھی نہ پاؤ گی

جاتے ہین ہم وہین کہ جہان ہے وہ لالہ فام — دے دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام

سُنکر یہ ذکر ہوش مین آئی وہ تشنہ کام — سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار — اے ابن فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئین ستم شعار — بیٹھے کہان پہ بیکس و غمگین و سوگوار
کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

مین وہ ہون جو کہ قید مین آئی تھی یا امام — مشہور ہون کنیز امام فلک مقام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ انام — گر قید ہو گئی تو کہین گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہے شام کو آلِ رسول کی
دیکھو ابھی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال — زہراؑ کی بیٹیونکی رہو تم شریکِ حال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دو لال — صاحب تمھارے ساتھ ہے عابدؑ سا خوشخصال
بے وارثون کا وارث و والی الٰہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤن کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آ کے روئیو — لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے روئیو — قبرِ رسولِ پاک پہ ہان جا کے روئیو
لٹنے مین صبر شکر تباہی مین چاہیئے
رونا بشر کو خوف الٰہی مین چاہیئے

مثال ۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی عباسؑ کے مرنے کی خبر سُن کر رزمگاہ کو جاتے ہین ؎

دریا پہ سر برہنہ شہ بحر و بر چلے — صدمہ یہ تھا کہ ہاتھون سے تھامے کمر چلے
اکبرؑ سنبھالے باپ کو با چشم تر چلے — یہ بھی اُدھر چلے، شہ والا جدھر چلے
صدمہ ہے ضرب غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفون پہ خاک ہے — آلودۂ غبار الم روئے پاک ہے
سوکھے لبون پہ نعرۂ روحی فداک ہے — اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
دست یسار بیٹے کی گردن مین ڈالے ہین
شہ کو جھکے ہوئے علی اکبرؑ سنبھالے ہین

جب پاؤن کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ — طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشک ماہ — رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دور یان سے یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہین وہ "حضور! ترائی قریب ہے"

القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی مین — زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی مین
پائی جو بوئے خون برادر ترائی مین — لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی مین
گذری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

مُنہ رکھکے مُنہ پہ بھائی نے بھائی کو دی صدا — اے شیر! اے دلیر! یہ بیکس ترے فدا
کیون پتلیان پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا — عباسؑ! مین حسینؑ ہون دیکھو مجھے ذرا

میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنان توسنِ عمرِ رواں نہ لو
ساتھی تھکا ہوا ہے رہ کارواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جان نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو
مر جاؤنگا مین ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جان ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامدار
آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار
نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جان زار
دیدار دیکھنے مین نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوے پاک نور خدا اور سر حقیر
عالم کا بادشاہ کجا اور کجا فقیر
ذرے کو مہر کر دیا اے آسمان سریر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود مین
معراج مل گئی شہِ والا کی گود مین

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
لیکر رسولؐ جام شراب طہور آئے
روشن ہو کیون نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا نہو سرور جو بالین پہ حور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہین زخمی بھی ہوتے ہین
مین اب تو تندرست ہون کیون آپ روتے ہین

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہین تم کو سب
عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہے غضب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جان بلب
اے جان فاطمہؑ جگر سید عرب

کس کس کو روکیے کہ یہ اعدا کے ریلے ہین
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہین

راحت کی راہ ہے سفر گلشن ارم
اب تک تو کب کے مرگئے ہوتے تڑپ کے ہم
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ امم
الفت یہ آپکی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم

دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہین
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہین

یہ کہکے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر مین درد
لین کروٹین تو بھر گئی زخمون مین رن کی گرد
رخسار سرخ سرخ جو تھے ہوگئے وہ زرد
منہ رکھکے شہ کے پاؤن پہ کھینچی اک آہ سرد

دنیا سے انتقال علمدار ہوگیا
سردار فوج بیکس و بے یار ہوگیا

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مرگیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
صدمہ غضب کا سبط نبیؐ پر گذر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا

لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سناؤ
زینبؑ تمھین بلاتی ہین خیمے کے در پہ جاؤ
سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اٹھاؤ
کب سے بلک رہی ہے سکینہؑ کو دیکھ آؤ

باتون مین پیار کی کہین تم سے گلا نہو
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہو

کیا ہے جو آنکھ بند کیے ہو حیا سے تم
اکبر ہمین بچاتے تھے لون سے ہوا سے تم
کیا کچھ خفا ہو سبط رسول خدا سے تم
ہم لٹ گئے ہین گرد تو جھاڑو قبا سے تم

ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی ای شہ زمان — رونے سے اب ملین گے نہ حضرت کے بھائی جان
لے چلئے گھر مین لاش علمدار نوجوان — ایسا نہو نکل پڑین خیمے سے بی بیان
دریا پہ ننگے سر کہین بنتِ علیؑ نہ آئے
فضّہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

اکبر نے عرض کی کہ چلین اب شہِ زمان — رو کر امام دین نے کہا جائین اب کہان
وان بھی مرے لیئے وہی رونا ہو جو یہان — اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی ہے جہان
اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پائون پہ سر ہاتھ جوڑ کر

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بیخبر — حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ اُلٹ کے خیمہ کا بولی وہ نوحہ گر — سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خون مین تر
اکبرؑ علم لیئے ہین علیؑ کا نشان نہین
کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجوان نہین

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشان — تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
گویا کہ تھا شبیہ الم سر بسر نشان — ڈوبا تھا خون مین پنجہ پر نور اور نشان
چھپ جاتا تھا پھریرے میں یوں کانپ کانپ کے
روتا ہو جس طرح کوئی مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوے عباسؑ کٹ گئے — سیدانیون کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
بچّون کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے — رنگ اُڑ گئے رخون سے کلیجے اُلٹ گئے

ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
بچون سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر مین حسینؑ آئے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہان سے پائے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
لو بیبیو! ترائی مین رو آسئے شیر کو

لپٹی تو تھی علم سے سکینہؑ جگر فگار
ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈون مین تھی پکار
پرچم پہ یون لپکتا تھا پنجہ وہ بار بار
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
تصویر حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بھی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیر علم تھا زوجۂ عباس کا یہ حال
ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی کہ اے اسد کبریا کے لال
مین سر کو پیٹتی ہون نہین کچھ تمھین خیال
جاتا ہے یون جہان مین کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی مین لونڈی کو چھوڑ کے

پُرخون علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
تکمے کھلے تھے کرتون کے تھراتے تھے جگر
مان نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گہر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر
زلفون پہ گرد تھی تو رخون پر غبار تھا
چہرون سے درد بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
بابا ہمارے گھر مین کب آئینگے اے چچا
آیا علم پر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا

اماں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گذر گئے
بھیا تمھین خبر نہین بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
رو کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہین نہر پر

میّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئین گے
دامن مین ہم کٹے ہوئے ہاتھون کو لائینگے

مثال ۶۔ علی اکبرؑ نزع کی حالت مین ہین، اور امام حسین علیہ السلام اُن کے پاس جاتے ہین ؎

جس دم سُنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
ہاتھون سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کردن مین کیا

مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہربان پسر
خوشرو پسر سعید پسر قدردان پسر
مادر کا چین، باپ کا آرام جان پسر
گلگو پسر شہید پسر نوجوان پسر

مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہین مجھے
اے نورِ عین! کچھ نظر آتا نہین مجھے

مجکو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکار
اک بار "یا شہ دوسرا" کہہ کے پھر پکار
اے شیر سید الشہدا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکار

میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
مرجاؤنگا یہین جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہین بیحواس ہون
غمگین ہون مردہ دل ہون حزین ہون اداس ہون
زخمی ہو قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہون
دم توڑو تم تو ہے غضب اور ہین پاس ہون
کیونکر قرار آئے دل ناصبور کو
لاؤن کہان سے ڈھونڈھ کے آنکھون کے نور کو

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطان بحر و بر
اُٹھا یہ دل مین درد کہ خم ہو گئی کمر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو مین تر
دیکھا جو زخم منہ کے قریب آ گیا جگر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفون مین کہ شبیرؑ مر گئے

ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھ دیے بیٹے کے لب پہ لب
دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہ رسولؐ رب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو ہے غضب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
باہین اُٹھا کے باپ کی گردن مین ڈال دو

اکبرؑ نے آنکھین کھول کے دیکھا رخِ پدر
فرمایا شہؑ نے زانو پہ رکھ کر سر پسر
گالون پہ اشک آنکھون سے ٹپکے اِدھر اُدھر
روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
یان سے اُٹھا کے آل پیمبر مین لے چلین
غم مان کا ہے تو آؤ تمھین گھر مین لے چلین

کی عرض مہلت اتنی کہان اے شہِ اُمم
دولت ملی کہ دیکھ لیے آپ کے قدم
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
غیر از غم فراق مجھے کچھ نہین ہے غم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہین
روتا ہون اس لیے کہ اکیلے حضور ہین

شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ رو و بس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس
ہوگا جہان سے جانے مین تھوڑا سا پیش و پس
میرے لئے ہوا ہے غم خنجر ہر اک نفس
اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سُن کے لینے لگا ہچکیان پسر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
سوکھی زبان دکھائی کہ پیاسا ہون ای پدر
دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
دنیا سے انتقال ہوا نور عین کا
ہنگام ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی ادھر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
فضہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ ایک بار
یان بیبیان ہوئین در خیمہ پہ بے قرار
اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار
چھریان غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہین
جلد آئیے کہ حضرت زینبؑ نکلتی ہین

گھبرا کے شاہ دین نے اُٹھائی پسر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لخت جگر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشک قمر کی لاش
زہراؑ کی بیٹیان جو کھلے سر نکل پڑین
سب بیبیان خیام سے باہر نکل پڑین

سر ننگے شہ کے گرد تھین سیدانیان تمام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
تھے بیچ مین شہید کا لاشہ لیے امام
جیتا ہے یا جہان سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹون پہ سوکھی زبان ہے
ای جان فاطمہؑ مرے بچے مین جان ہے؟

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
یہ لاش میری گود میں دیجے بہن نثار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقوں سے جسمِ زار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن نہ اُٹھے گا لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمہ میں لائے امام پاک
مسند رسولِ حق کی بچھائی بروے خاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک
دل بی بیوں کے ہوگئے سینے میں چاک چاک
پہلے گمان تھا غش میں وغا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں

لاشے کے پاس ہائے پسر کہکے ماں گری
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپھی نیم جان گری
دل پہ ہر اک کے برقِ غمِ نوجوان گری
غش ہو کے یاں گری کوئی اور کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اُلٹ گئی

مثال ۵ ـ حضرت علی اکبرؑ نزع کی حالت میں امام حسین علیہ السلام کو پکارتے ہیں اور وہ بدحواس قتل گاہ کی طرف جاتے ہیں اُس وقت کی اضطرابی حرکات اور باپ بیٹے کی گفتگو

سُن کر یہ استغاثۂ فرزندِ خوش خصال
سید نے آہ کی کہ ہلا عرشِ ذوالجلال
کھولے جنابِ فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال
بانو پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال
ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر
اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے ہے مرا پسر

پردا نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہون مین
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہون مین

بانو کو قسمین دے کے چلے شاہ نامدار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا اُلٹ پُلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار
اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار

چلاتے تھے شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہین
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہین

آؤن کدھر کو اے علی اکبرؑ جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
اکبرؑ برائے خالق اکبر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو

گرتے ہین ہم ثواب کا ہاتھون سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہین ہے مین کدھر جاؤن کیا کرون
اے نور چشم تجھکو کہان پاؤن کیا کرون
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤن کیا کرون
کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے مین لاؤن کیا کرون

پایا تھا مدتون مین جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل مین آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جسم زار زیست کا باقی نہین محل
اے جان ناتوان تن مجروح سے نکل
ہان اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل

چھوٹے نہ اُس کا ساتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

جنگل سے بدحواس پھرے نہر پر گئے
وان بھی جو وہ گہر نہ ملا سوے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
نالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے

ٹپکا ہوا زمین پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہین نہ وہ پسر ماہرو ملا

جا کر صفون کے پاس پکارے با اشک و آہ ہے کس طرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
اے ظالمو یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ کس رن مین چھپا ہے مرا چودھوین کا ماہ
بتلاؤ جان ہے کہ نہین جسم زار مین
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار مین

لاش پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہ بحر و بر سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شر
کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر کس کو حضور ڈھونڈھتے ہین مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائینگے نہ ہم علی اکبرؑ کی لاش کو

یہ سن کے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار چمکی جو برق تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار چلائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نور عین کی
کس دشت مین پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابون کے حلقون سے چشم نم ہے ہے اسی مین تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لون مین اسیر غم اکبرؑ کے ہاتھ مین تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتھ پاؤن مرے آفتاب کے
قربان تری لگام کے صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوے دشت کی نظر یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے ادھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشم تر گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر

جنگل مین لاشۂ پسر نوجوان ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جان ملا

دیکھی عجیب حالت فرزند نوجوان — پیکان گلے مین ہونٹون پہ نکلی ہوئی زبان
تن پر جراحت تبر و خنجر و سنان — گردن تھی کج پھری ہوئی آنکھونمین تلیان
ٹاپون سے مرکبون کے جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک مین گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہین واکر کے چشم تر — اے جان جسم زار مین اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر — اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لون
مہلت بس اتنی دے کہ مین بابا کو دیکھ لون

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے — حضرت زمین پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر جوان یون جہان سے جائے — اولاد تین روز کے فاقے مین زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیون کھینچتے ہو پاؤن کو اے میرے گلعذار — کیون ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھین تو کھول دو کہ مرا دل ہے بیقرار — بیٹا تمھاری مان کو تمھارا ہے انتظار
بہنین کھڑی ہین در پہ بڑے اشتیاق مین
اکبرؑ تمھاری مان نہ جیے گی فراق مین

غش مین سنا جو ہین علی اکبرؑ نے مان کا نام — کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زبان دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام — شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی مین جان ہے

فرمایا شہ نے ای علی اکبرؑ مین کیا کرون
پانی نہین ہے مجھکو میسر مین کیا کرون
گھیرے ہین نہر کو یہ ستمگر مین کیا کرون
کچھ بس نہین مرا مرے دلبر مین کیا کرون
اعدا نہ دین گے بوند اگر لاکھ کد کرین
بیٹا تمھاری ساقی کوثر مدد کرین

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
اتنی زبان ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
انگڑائی لیکے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا باپ کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
یعنی ادھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہؑ جمال
گویا جناب سیدہ کھولے ہوے تھین بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے آسمان وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابر شام چاند ہمارا ہے کس طرف
اے ارض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سنان سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لنبے گیسوؤن والے کدھر ہو تو
ہے ہے مرے غریب کے پالے کدھر ہے تو
واری کہان گئے تجھے بھالے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو

اٹھارواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جوان
صفدر جوان شکیل جوان نازنین جوان
خوش رو جوان غریب جوان مہ جبین جوان
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جوان

آغاز تھین مسین ابھی ایسے مسن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بیچ اس ادھر سے وہ نوحہ گر
سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
آئے ادھر سے لاش لئے شاہ بحر و بر

دیکھا لہو رواں جو تن پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبرؑ کی لاش سے

مناظرِ قدرت

عربی اور فارسی مین مناظرِ قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے، اور اردو مین تو گویا سرے سے اس کا وجود ہی نہ تھا، میر ضمیر نے سب سے پہلے اس پر طبع آزمائی کی، لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے، اس لئے اصلی حالت نہ ادا کر سکے، میر انیس نے اس صنعت پر اگرچہ صرف دو تین مرثیے لکھے ہین لیکن جو کچھ لکھا ہے، کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے -

صبح کا سماں

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اختر انِ صبح
ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روئے شب تار ہوگیا
عالم تمام مطلع انوار ہوگیا

خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقابِ شب
در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب
دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب

گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

یون گلشن فلک سے ستارے ہوے عیان
چُن لے چمن سے پھولون کو جسطرح باغبان
آئی بہار مین گل مہتاب پر خزان
مرجھا کے رہ گئے ثمر و شاخ کہکشان

دکھلائے طور باد سحر نے سموم کے
پژمردہ ہوکے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
یاد خدا مین زمزمہ پردازی طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور
خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکر قدرت حق ہر زبان پہ

وہ سرخی شفق کی اُدھر چرخ پر بہار
وہ بارور درخت، وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کی وہ گلون پہ گہرہاے آبدار
پھولون سے سب بھرا ہوا دامان کوہسار

نافے کھلے ہوے وہ گلون کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمین رشک آسمان
تھا دور دور تک شب مہتاب کا سمان
چھٹکے ہوئے ستارون کا ذرون پہ تھا گمان
نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان

سرسبز جو درخت تھا وہ نخل طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح
گلزار شب خزان ہوا آئی بہار صبح
سرگرم ذکر حق ہوے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکون کا دمبدم
وہ آب و تاب نہر وہ موجون کا پیچ و خم
مرغان باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار
تھے طائرون کے غول درختون پہ بیشمار
کو کو وہ قمریون کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سمان
ذرون کی روشنی پہ ستارونکا تھا گمان
تھا جسکی ضو سے وجد مین طاؤس آسمان
نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان
ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد

رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد ۔۔۔ یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

ایک اور موقع پر بھی یہی سماں باندھتے ہین ع

وہ صبح اور وہ چھاؤن ستارون کی اور وہ نور ۔۔۔ دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور
پیدا گلون سے قدرت اللہ کا ظہور ۔۔۔ وہ جا بجا درختون پہ تسبیح خوان طیور

گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولون کی باس سے

ٹھنڈی ہوا مین سبزۂ صحرا کی وہ لہک ۔۔۔ شرمائے جس سے اطلس زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختون کا پھولون کی وہ مہک ۔۔۔ ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک

ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا ۔۔۔ دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل، وہ نالۂ مرغان خوش نوا ۔۔۔ سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولون سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار ۔۔۔ پھولون پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار ۔۔۔ بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہان تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم | کوکو کا شور، نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم | جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کی تھی رسوم

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربّ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی خاک اُڑا کے یہ کہتی تھی باربار | ای دانہ کش ضعیفون کے رازق ترے نثار
یا حی و یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار | تسبیح تھی کہین، کہین تہلیل کردگار

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

گرمی کا سمان — گرمی کا سمان شعراے فارس نے باندھا ہے، لیکن نہایت مبالغہ اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے۔ طالب آملی کا ایک قصیدہ ہے جسمین قصیدہ کی تشبیب گرمی کے بیان سے شروع کی ہے ؎

چنان بخار زمین تیرہ ساخت آب زلال | کہ قطرہ برلب جوی کند نیابت خال
ہواے مہر تفسید گی چنان گردید | کہ شعلہ را ز نسیم است بیم اضمحلال

مرزا صائب ایک قصیدہ مین گرمی کی شدت کا بیان کرتے ہوے لکھتے ہین ؎

نیست این فوارہ ہر سو جلوہ گر در حوض ہا | کردہ ست از تشنگی بیرون زبان خویش آب

ایک اور شاعر نے فرضی توجیہ خوب کی ہے ؎

گردباد از پےآن می جہد، از جا کہ براہ | پاے می سوزدش از بسکہ زمین شد سوزان

میر انیس بھی اگرچہ رواج عام کے اثر سے نیچرل حالت سے جابجا تجاوز کر گئے ہین تاہم ان کا اصلی جوہر بھی نمایان ہے ؎

وہ لون، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آبِ رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور
جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

کوسون کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب	چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب	کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

جو لوگ کہتے ہین کہ میر انیس کے ہان خیال آفرینی اور مضمون بندی نہین ہے وہ ان اشعار مین سے اُن شعرون کو دیکھین، جہان نیچرل حالت سے ہٹ کر، مبالغہ اور تکلف پیدا ہو گیا ہے۔

منظر

(یعنی سین)

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جسکو انگریزی مین سین کہتے ہین، واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے۔

عام واقعہ نگاری اور سین مین یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری مین ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے، بخلاف اس کے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے مثلاً اس شعر مین ؎

لو ن چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ظہر کا ہنگام	تنہا یہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہ شام

لو ن کا چلنا۔ خاک کا اُڑنا۔ ظہر کا وقت ہونا، فوجون کا اُمنڈنا، ہر چیز کو الگ الگ لیا جائے تو واقعہ ہے، اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سین ہے۔

میر انیس نے شاعری کے اس صنف کو جس کمالات تک پہنچایا اردو کیا فارسی مین بھی اسکی بہت کم مثالین ملتی ہین، ہم چند مثالین ذیل مین درج کرتے ہین۔

مثال ۱ ۔ حرُ نزع کی حالت مین ہے، امام حسین علیہ السلام اُس کے سرھانے موجود ہین، اُس وقت کی حالت اور گفتگو

نزع کی حالت

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین — پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین — لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین
بات بھی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھ اُڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی — آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے اے بھائی! — چل بسے حرُ جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

مثال ۲ ۔

گرمی کی شدت مین لوگون کی حالت

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑونکی راہ سخت — پانی نہ منزلون نہ کہین سایۂ درخت
ڈوبے ہوے پسینون مین ہین غازیون کے رخت — سونلا گئے ہین رنگ جوانان نیک بخت
راکب عبائین چاند سے چہرون پہ ڈالے ہین
تونسے ہوے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر — صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
رنج مسافرت مین ہین سلطان بحر و بر — لب رنگ گل سے خشک ہین چہرہ عرق مین تر
آتی ہے خاک اُڑکے یہین دیار سے
گیسوے مشکبار اَٹے ہین غبار سے

اہل حرم ہین ہودج و محمل مین بیقرار
بانو پکارتی ہے کہ اے شاہ نامدار
معصوم پانی مانگتے ہین روکے بار بار
گرمی سے جان بلب ہے مرا طفل شیرخوار
کیونکر یہ دکھ اُٹھے چھ مہینے کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہؑ کہ اچھے مرے چچا
بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا
محمل مین گھٹ گئی مجھے پانی تو دو ذرا
ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو تم پہ مین فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوائین ہو مری حالت خراب ہے

مثال ۳۔

صغیر السن بچہ نزع کی حالت مین

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اسدم بہ حال زار
دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار
لائے حسینؑ ہاتھون پہ اک طفل شیرخوار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار
تھا فرط غش سے ننھا سا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوے تھا مٹھیان اور منہ کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا دوش پر
جُٹتی بھوین وہ جن پہ تصدق دل و جگر
ماتھا جھنڈولے بالون مین ہالے مین جون قمر
آنکھین تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر
سایہ مین دامن خلفِ بوتراب کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھون مین کاجل اِدھر اُدھر
باچھون سے تھا نمود جمے دودھ کا اثر
خشکیدہ ہونٹھ موے مژہ آنسوون سے تر
ہاتھون مین نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینہ پر

ننھے سے دل کو ماں کے بچھڑنے کا درد تھا
رن کی ہوائے گرم سے جسم اس کا سرد تھا

کرتا بدن مین آتا تھا اس رنگ سے نظر — پڑتی ہے اوس پھولون پہ جیسے دم سحر
سینہ تھا صاف صورت آئینہ جلوہ گر — گرمی سے ہوگیا تھا شلوکہ عرق مین تر
چھاتی مین دمبدم جو دم اس کا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھون کو دیدے پٹکتا تھا

مثال ۴

فوجون کی آمد اور جنگ کی طیاری

ہے شور آمد آمد فوج فلک سریر — فوجون کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہین سنانین لئے شریر — حضرت کی پیشکش کو کمانین ہین اور تیر
پانی پہ چوکیان ستم آرا بٹھاتے ہین
دریا کے گھاٹ برچھیون سے روکے جاتے ہین

سقے گئے ہین شام کے حاکم کے جابجا — ہر پرگنہ سے ہے طلب لشکر جفا
آکر اترتی جاتی ہین فوجین جدا جدا — لیتا ہے جائزہ عمر سعد بے حیا
غل ہے کرینگے قتل جو زہراؑ کے ماہ کو
انعام مین ملے گا دو ماہہ سپاہ کو

تیغین سلاح خانہ سے نکلی ہین بے شمار — ہے جابجا درستی اسباب کارزار
ہوتے ہین لیس تیرون کے دستے کئی ہزار — خنجر بھرے ہین زہر کو پیاسون کے آبدار
نوکین نکالی جاتی ہین تیرون کی سان پہ
پھل برچھیون پہ چڑھتے ہین پرچم نشان پہ

ولہ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک ۔۔۔ اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک ۔۔۔ قرنا پھنکی کہ گونج اٹھا دشت دور تک
شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزون تھی کثرت افواج نابکار ۔۔۔ نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغ آب دار
ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خارزار ۔۔۔ ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
پیکان بہم تھے جیسے ہون گل بے کھلے ہوے
گوشون سے تھے کمانون کے چلے جُڑے ہوے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل ۔۔۔ تھے برچھیون کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین ہے تلخی اجل ۔۔۔ وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو سر کے بل
دو دو تبر تھے پاس ہر اک خودپسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوے حلقے کمند کے

مثال ۵

سفر کی طیاری -

آراستہ ہین بہر سفر سرو قبا پوش ۔۔۔ عمامے سرون پر ہین عبائین بسر دوش
یاران وطن ہوتے ہین آپس مین ہم آغوش ۔۔۔ حیران کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
مُنہ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پہ
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

ہم سنون کی وداعی ملاقات

عباسؑ کا منہ دیکھکے کہتا ہے کوئی آہ
اب آنکھون سے چھپ جائیگی تصویر ید اللہ
کہتے ہین گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ
واللہ دلون پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگون سے شیرین سخنی کون کریگا
یہ اُنس یہ خُلقِ حسنی کون کریگا

روتے ہین وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہین ہم سن
کہتے ہین کہ مکتب مین نہ جی بہلیگا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمین یہ نہین ممکن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہین دن
تم حضرت شبیرؑ کے سایہ مین پلے ہو
کیون دھوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیون سے کہتے ہین وہ دونون برادر
ہان بھائیو تم بھی ہمین یاد آؤگے اکثر
پالا ہے ہمین شاہ نے ہم جائین نہ کیونکر
ماموں رہین جنگل مین تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہون
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہون

رخصت کے لئے لوگ چلے آتے ہین پیہم
ہر قلب حزین ہے تو ہر اک چشم ہے پُر نم
ایسا نہین گھر کوئی کہ جس مین نہین ماتم
غل ہے کہ چلا دلبر مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہین قبر نبیؐ کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولؐ عربی کے

سفر کی طیاری اور سواری کی تقسیم

تدبیر سفر مین ہے اُدھر سبط پیمبرؐ
گھر مین کبھی آتے ہین کبھی جاتے ہین باہر
اسباب نکلواتے ہین عباسؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد مین ہین اکبرؑ
شہ کو جنھین بیجانا ہے وہ پاتے ہین گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہین گھوڑے

حاضر در دولت پہ ہین سب یاور و انصار ہودج بھی کسے جاتے ہین محمل بھی ہین تیار	کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتیار چلاتے ہین دربان کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہین پردے کی قناتین لیے فراش کھڑے ہین	
عورات محلہ چلی آتی ہین بصد غم پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہی ہر دم	کہتی ہین یہ دن رحلت زہراؑ سے نہین کم فرش اُٹھتا ہی کیا بچھتی ہی گویا صف ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہی زینبؑ ہر اِک کے گلے ملتی ہی اور روتی ہے زینبؑ	
لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر	اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ مُسلمؑ کا خط آلے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑین گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اِس گھر کو نہ چھوڑین	
اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہو ویگا خالی کیا جانین کہ پھر آئین نہ آئین شہ عالی	بربادی یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی حضرت کے سوا کون ہی اس شہر کا والی
زہراؑ ہین نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہین اب اُن کی جگہ آپ ہین یا شاہ زمن ہین	
گرمی کے یہ دن اور پہاڑون کا سفر آہ رستے کی مشقت سے کہان ہین کبھی آگاہ	ان چھوٹے سے بچون کا نگہبان ہے اللہ ان کو تو نہ لیجائین سفر مین شہ ذیجاہ
قطرہ بھی دم تشنہ دہانی نہین ملتا کوسون تلک اس راہ مین پانی نہین ملتا	

عورتین کیو[nk]…
ہوتی ہین

عورتون کا…
سفر کے دن…

منہ دیکھ کے صغر کا چلا آتا ہے رونا	آرام سے مادر کی کہان گود مین سونا
جھولا یہ کہان اور کہان نرم بچھونا	لکھا تھا اسی سن مین مسافر انھین ہونا

کیا ہوگا جو میدان مین ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائینگے ان ہاتھ ملے گی

اُن بیبیون سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر	بہنون ہمین یثرب سے لئے جاتی ہے تقدیر
اس شہر مین رہنا نہین ملتا کسی تدبیر	یہ خط پہ خط آئے ہین کہ مجبور ہین شبیرؑ

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہین سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہین سکتی

مثال ۶

گرمی اور گرمی کی شدت مین زن و مرد اور بچون کی حالت

گرمی کی شدت

مخفی تھے شرر شدتِ گرما سے حجر مین	چلتی تھی یہ لون آگ بھڑکتی تھی جگر مین
نہ بحر مین راحت تھی کسی دل کو نہ بر مین	جھیلون مین نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر مین

پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتین بھی نہ آتی تھین کنوین خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانون سے نکلتے تھے شرارے	ناری تھی ہوا، سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق مین اسد اللہ کے پیارے	دھڑکا تھا کہ یہ لون کسی بچے کو نہ مارے

ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

تھا مہر کی شدت سے یہ حال شہ ابرار	ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سرخ تھے رخسار
تحمید مین جنبان تھے لب لعل گہر بار	بھر کر نفس سرد یہ فرماتے تھے ہر بار

اک پھول بھی زہرا کے چمن مین نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن مین نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم
چہرہ بھی عرق ناک تھا، اور طبع بھی برہم
منہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورت ضیغم
فرماتے تھے اشک آنکھون مین بھر کر شہ عالم
تم شیر ہو راحت تمھین بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یون اکبر مہرو تھے پسینے مین نہائے
جب پھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے
جیسے تپ محرق مین، جوان کو عرق آئے
رب دو جہان حشر کی گرمی سے بچائے
گزریگا ہر اک دم تپش دل سے قلق مین
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہونگے عرق مین

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم
سب ڈوب گئی ہون یہ پسینے کا ہے عالم
محمل مین گھٹا جاتا ہے، گرمی سے مرا دم
برسے گی جو نہین آگ تو جینے کے نہین ہم
ہین ابر کرم آپ کرم کیجئے بابا
سایہ کہین مل جائے تو دم لیجئے بابا

سن کر یہ بھتیجی کی صدا حضرت عباسؑ
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس
کہتے تھے چچا صدقے ہو، روؤ نہ بصد یاس
دم گھٹتا ہے محمل مین تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمھاری ہمین منظور نہین ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہین ہے

مشکین لیے سقے جو سواری کے تھے ہمراہ
جس طرح کہ پیاسون کا ہو مجمع بسر راہ
بھر لاتے تھے پانی پئے فوج شہ ذیجاہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یون شہ کے ہوا خواہ

گرمی سے بچنے کی تدبیریں

جنگل میں عطش کا جو تھا صدمہ کہ و مہ پر
چہرہ پہ چھڑکتا تھا کوئی، کوئی زرہ پر

بھرتا تھا دمِ سرد پریشان کوئی ہو کے
بچتا تھا کوئی لون سے ردا چہرہ پہ رو کے
دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے

پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے قرینِ ناقون کے آ کر شہ ابرار
آندھی ہے گھٹا ٹوپ اُڑے جاتے ہیں ہر بار
حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
اے بنت یداللہ سکینہؑ سے خبردار

رستہ یہ پہاڑون کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچون کو چھپائے رہو لون آج بڑی ہے

محمل سے نظر کر کے یداللہ کی جائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی
کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
فریاد بہن دھوپ میں سونلا گئی بھائی

کیا بن گئی جنگل میں امامِ دوسرا پر
سایہ بھی درختون کا نہیں ظلِ ہما پر

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دھوپ میں چلیے
دم لیجیے منہ دھوئیے پوشاک بدلیے
دن کاٹیے سایہ میں کہیں رات کو چلیے
لون چلتی ہے آفت کی پہاڑون سے نکلیے

ناشاد بہن آپ کی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مر جائے تو کیا ہو

مثال ۷ -

لڑائی کی طیاری

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
تیرون نے رخ کیا سوے ابن شہ نجف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
سینون کو غازیون نے اُدھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوق جنگ ہر ایک رشک ماہ کو
جوش آگیا دغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوے ہوشون کے رنگ
تن تن کے برچھیان جو سنبھالین بڑی جنگ
فوجون پہ جا پڑین یہ دلون کو ہوئی اُمنگ
بیچین ہوگئے فرسِ ابلق و سمند رنگ
پاس ادب سے شاہ کی صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے
بولا کوئی یہ غول ہین کیا شام و روم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
ٹکڑے اُڑائین گے عمر و شمر شوم کے
نامرد جو ہین آنکھ چُراتے ہین مرد سے
دونون کو چار کرکے پھرین گے نبرد سے

دولا کھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی
بل کھا کے زلف رخ پہ کسی کے اکڑ گئی
مُنہ سرخ ہوگیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
ٹلا کوئی سمند کو رانون مین داب کے
غُصے سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اِک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشون سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نامور ۔ لڑ کے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھکر
کہتے تھے نیچے بیٹے وہ غیرتِ قمر ۔ یارب شکست فوجون کو دے ہمین ظفر
سرکے نہ پھر وغا مین جو بڑھ کے قدم گڑے
جاکر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

مثال ۸ -

بیکسی اور تنہائی

حضرت پہ اُدھر ہوتی ہو اعدا کی چڑھائی ۔ تنہا ہین نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
سیدانیان دیتی ہین محمدؐ کی دہائی ۔ اعدا مین یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی
ڈوبے ہوے خون مین شہدا گرد پڑے ہین
گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہین

ہے تابشِ خور سے عرق افشان رخِ گلفام ۔ لب خشک ہین پانی کا میسر نہین اک جام
لو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ہے ظہر کا ہنگام ۔ تنہا پہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہِ شام
یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
بوچھار سے تیرون کی بچاتے نہین تن کو

ہین آگ مین تیغون کے کھڑے پر نہین کچھ غم ۔ اُمت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
ہین گرد بیابان مین اٹے گیسوے پُر خم ۔ نیلے ہین لبِ لعل یہ ہے پیاس کا عالم
بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی
چھینٹین ہین قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

ذکرِ غمِ عباسؑ بھی اصلا نہین کرتے ۔ غیرت سے نظر جانبِ دریا نہین کرتے
خونِ علی اکبرؑ کا بھی دعوا نہین کرتے ۔ اُمت کے یہ ہین ظلم پہ شکوا نہین کرتے

پانی کے بھی طالب نہین گو تشنہ دہن ہین
کلمے ہین نصیحت کے محبت کے سخن ہین

مثال ۹ -

فوج کا داخلہ اور طیاری جنگ

خیمے مین اُترے یان تو شہِ عرش بارگاہ
آ کر کے اُس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسون علم کھلے تھے جدھر کیجئے نگاہ
یان تک کہ بند ہو گئی چارونطرف سے راہ

فوجون سے تا بہ صبح زمین رن کی بھر گئی
اِک رات مین چڑھی ہوئی ندی اُتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
آ پہونچا شام سے پسر سعد نحس و شوم
جسکی جلو مین لاکھ سوارون کا ہے ہجوم
اکثر ہین یکہ تاز جوانانِ شام و روم

بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بند و بست لڑائی کا ہوئیگا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوے نشان
اُمڈا زمین پہ ظلم کا دریاے بیکران
موجونکی طرح سب تھین صفین پیش و پس روان
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادبان

ہلتا تھا دشت کین دہل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیونکے دل
خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغا باز و پر دغل
شکلین مہیب دیو سے قد ابروون پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار | غل ہوگیا سلامی کے باجون کا ایک بار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار | "آگے بڑھے چلو" یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون کے گرد وپیش رئیسانِ شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

مثال ۱۰ - حضرت عباسؑ نہر سے مشک بھر چکے ہین اور واپس آنا چاہتے ہین، دشمن دیکھکر ہر طرف سے لوٹ پڑتے ہین، حضرت عباسؑ اس کشمکش مین ہین کہ آپ کو بچائین یا مشک کو سنبھالین، اس وقت کے مضطربانہ حرکات کی تصویر۔

۵

اک تشنہ کام لاکھون مین کس کس کو دے جواب | شل ہوگیا تھا بازوے فرزندِ بوتراب
کہتا تھا ہات اُٹھنے کی مجھ مین نہین ہے تاب | لڑنے کی فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب

پروا نہ تھی جو بازوؤن پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہؑ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی | اک شیر سے ادھر کبھی جھپٹے اُدھر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی | سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی

رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوؤن کو علیؑ چوم چوم کے

تکتے تھے مسکرا کے سوے آسمان کبھی | ہونٹون پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زبان کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سنان کبھی | جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشان کبھی

گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانون مین داب کے
قدمون سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹیں لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
دامن سے پوچھتے تھے علمدار نامور
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر
شُقّہ مگر علم کا لہو سے نہ ہووے تر
اقبال بادشاہِ زمین و زمان رہے
دنیا میں میں رہوں نہ رہوں یہ نشان رہے

ولہ

گر کر کبھی اُٹھے، کبھی رکھا زمین پہ سر
اُبلا کبھی لہو، تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے، جب منہ کے بھل گرے

مثال ۱۱-

پردہ کا اہتمام

بیت الشرفِ خاص سے نکلے شہِ ابرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار
باہر حرم آتے ہیں رسولؐ دوسرا کے
شُقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے
لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے
آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

آپہونچی جو ناقہ کے قرین دخترِ حیدرؑ
فضّہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبطِ پیمبرؐ
تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبرؑ

فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اُٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

مثال ۱۲-

مستورات کا محمل سے اُترنا

جب ناقۂ زینبؑ جو قرین ڈیوڑھی کے پہونچا
گرد آکے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا
کرسی سے اُٹھے آپ شہِ یثرب و بطحا
محمل سے اُترنے جو لگی دخترِ زہراؑ

اِک ہاتھ علی اکبرؑ ذی جاہ نے تھاما
اِک ہاتھ جگر بند ید اللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہؑ کو لگائے ہوئے اُتریں
شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں
آنسو رخِ انور پہ بہائے ہوئے اُتریں
پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں

مثال ۱۳- عونؑ و محمدؑ میدانِ جنگ میں لڑ رہے ہیں، سیدانیاں دروازہ پر بدحواس کھڑی ہیں، حضرت زینبؑ فضہ سے پوچھتی ہیں کہ میرے بچے کیا کر رہے ہیں ؟ وہ جواب دیتی ہے ہے

سیدانیاں دروازہ پہ تھیں کھولے ہوئے سر
فضہ تھی پریشان کیٔے مو خیمے کے اندر
اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
پردہ سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں اُڑتے ہوئے گیسو
وہ نیمچے بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو

ڈھالین لئے وہ بھاگتے پھرتے ہین جفاجو ۔۔۔ وہ ابر مین چھپ چھپ کے نکل آتے ہین مہ رو

بہتا ہے لہو چھاتیون سے چور ہین دونون
کس طرح پکارون کہ بہت دور ہین دونون

مثال ۱۴ - حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پہنچے ہین۔ گھوڑا کئی دن کا پیاسا تھا۔ پانی دیکھ کر بیتاب ہوگیا ہے۔ لیکن چونکہ تمام قافلہ پیاسا ہے، حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین۔ اس وقت گھوڑے کی حالت ؎

دو دن سے بیزبان پہ جو تھا آب و دانہ بند ۔۔۔ دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند ۔۔۔ چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا مُنہ سوار کا

مثال ۱۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدان کربلا مین داخلہ، رفقا سے خطاب، اور نوجوانون کی سیر و تفریح ؎

اترا یہ کہہ کے کشتی امت کا ناخدا ۔۔۔ جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا ۔۔۔ دیکھو تو کیا ترائی ہے؟ کیا نہر؟ کیا فضا

اکبر شگفتہ ہوگئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگین دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند ۔۔۔ کیون یہ مقام ہے تمھین شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ اے شاہِ ارجمند ۔۔۔ بس یان تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند

شیر اب یہین رہینگے عنایت جو رب کی ہو
مین کیا کہون حضور، ترائی غضب کی ہو

روتے ہوے وہان سے بڑھے آپ چند گام — گویا زمین کی سیر کو اُترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام — شکلین وہ نور کی وہ تجلی وہ احتشام

زلفین ہوا مین اُڑتی تھین، ہاتون مین ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوے ساتھ ساتھ تھے

مثال ۱۶-

تمام رفقا کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ کی بیکسی اور دشمنون کا نرغہ

مومنو خانۂ زہراؑ پہ تباہی ہے آج — گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج
تنِ تنہا خلفِ شیرِ الٰہی ہے آج — خلق سے سبطِ نبیؐ خلد کو راہی ہے آج

قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیرین ہین
اک نبیؐ زادہ ہے اور سیکڑون شمشیرین ہین

تیر سے تانے ہوے اُڑے چلے آتے ہین سوار — ہین کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
تیغین کھینچے ہوئے چوگرد کھڑے ہین جو سوار — غل ہے مہلت نہ ملے سبطِ نبیؐ کو زنہار

برقِ شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جس طرف دیکھتے ہین موت نظر آتی ہے

نہ ہے غمخوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی — نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
نہین اتنا ہے خبر پوچھے جو آکر کوئی — ایک اللہ تو ہے اور نہین سر پہ کوئی

تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہین
اپنی تنہائی پہ شاہ دو جہان روتے ہین

جسم پر تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر — خون مین سر تا بقدم تر ہین جناب شبیرؑ
رو کے فرماتے ہین اعدا سے کہ اے قوم شریر — کیا گنہ ہے مجھے کیون مارتے ہو بے تقصیر

یون ستاؤ نہ کہ ہین مرگ پہ آمادہ ہون
رحم لازم ہے کہ سید ہون نبیؐ زادہ ہون

کوئی سنتا نہین فریاد امام عالی
ماہِ زہراؑ پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی
برچھیان چلتی ہین اور ہوتے ہین ترکش خالی
خون مین تر زلفین ہین یہانتک ہی پریشان حالی

زخم تلوارون کے خاموش کھڑے کھاتے ہین
غش مین جھکتے ہین کبھی گاہ سنبھل جاتے ہین

لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
روکے فرماتے ہین بیٹے سے کہ ای جانِ پدر
تھام لیتے ہین کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
ایسے غافل ہو کہ لیتے نہین بابا کی خبر

مرے پیارے مرے جانی مرے دلبر اٹھو
ہم پہ تنہائی ہے اُٹھو علی اکبرؑ اٹھو

لاشِ عباسؑ سے کہتے ہین بصد یاس بیان
وقت امداد و اعانت ہے برادر قربان
اے مرے یار وفادار مرے شیر جوان
چھوڑ کر ہمکو لعینون مین سدھارے ہو کہان

لاکھ ملعونون نے میدان مین ہمین گھیرا ہے
تم نے بھائی سے عجب وقت مین مُنہ پھیرا ہے

کہتے تھے اہل ستم حال سُناتے ہوئے
کون ہے بیکس و مظلوم دکھاتے ہوئے
مرگئے اکبرؑ و عباسؑ بلاتے ہوئے
چونکتے ہین کہین مردے بھی جگاتے ہوئے

حلق پر خنجرِ خونخوار پھرا دیتے ہین
اب تمھین بھی اسی مقتل مین گرا دیتے ہین

روکے فرماتے ہین یہ فوج ستمگار سے شاہ
ظلم مین اپنون کے کیونکر نہ کرون نالہ و آہ
ذبح ہونگی مجھے علم ہے خالق ہے گواہ
اُن کو رُونگا مین جبتک کہ جیونگا واللہ

بھولتا ہے کوئی اس طرح کے غمخوارون کو
یاد کرتے ہین وفادار وفادارون کو

دشت مین جلتی ہی لون دھوپ کی شدت ہی کمال — جیٹھ بیساکھ کے ایام ہین اور وقتِ زوال
سرخ ہی خون سے قبا دھوپ سے رخسار ہی لال — نکلی آتی ہی زبان منہ سے یہ ہی پیاس کا حال
تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے
ریت اُڑ اُڑ کے ہر اک زخم مین بھر جاتی ہے

تیر بیٹھا ہے جو اُس چاند سی پیشانی پر — خون کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
ہے عجب بیکسی اُس فاطمہؑ کے جانی پر — کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر
تیغین کھا کھا کے لبِ خشک جو دکھلاتے ہین
تیر اُدھر سے عوض جرعۂ آب آتے ہین

جون کمان کٹ کے لٹک آئے ہین ابرو خمدار — ہین لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھین گلنار
بوسے جن ہونٹون کے لیتے تھے رسولِ مختارؐ — پیاس سے سوکھ گئے ہین وہ لبِ گوہر بار
چاند شرمندہ تھا جن پھول سے رخسارون سے
چاک ہین مثلِ کتان ظلم کی تلوارون سے

زخمی ہین ابن یداللہ کے دونون بازو — ہات ہیہات کہ یکدست ہین اب بے قابو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو — انگلیان ایسی ہین زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو
پر یہ ہے امتِ محبوبِ خدا کی خاطر
زخمی ہاتھون کو اُٹھائے ہین دعا کی خاطر

سخت آفت مین ہے وہ پشت و پناہ عالم — کمر پاک ہے بارِ غمِ عباسؑ سے خم
علی اکبرؑ کی جوانی کا ہے جانکاہ الم — زانو پہ مارتے ہین دستِ تاسف ہردم

وار سے تیغون کے اعضاے بدن کٹتے ہین
کھیت سے پر کہین شیرون کے قدم ہٹتے ہین

ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
کئی سو تیر ہین گردن سے بھی پہلو سے بھی پار
بال سے خون کی بوندین ہین ٹپکتی ہر بار
نہ کھڑے رہنے کی طاقت ہے نہ تابِ رفتار
تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہین سکتا ہے
پھیر کر مُنہ شہ والا کی طرف تکتا ہے

شاہ فرماتے ہین اے میرے رفیق و ہمدم
ہے مجھے اپنے عزیزون کے برابر ترا غم
ہم سے تو چھٹتا ہے اب تجھ سے جدا ہوتے ہین ہم
مر کے بھی تجکو نہ بھولونگا یہ خالق کی قسم
خلق سے سوے عدم کوچ کی طیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

دیکھ لے تیری طرح مین بھی ہون زخمی واللہ
فاقہ مجھپر بھی ہے اور تو بھی ہے بے دانہ و کاہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ
تین دن گذرے ہین پانی سے نہین ہون آگاہ
تو زبان خشک جو مُنہ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسرِ ساقیِ کوثر کو حجاب آتا ہے

مثال ۷ ۔ اس سین کو ایک دوسرے موقع پر دکھایا ہے ؎

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اُس طرف لشکر اعدا مین صف آرائی ہے
یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین کمر خم ہی بدن مین نہین تاب
ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہی قدمون سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہی لب خشک ہین آنکھین ہین پُرآب
تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف مین جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین
سیکڑون تیرِ ستم تن سے گذر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رخسارون سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے
تیر پیوست ہین خون بہتا ہے سوفارون سے
لاکھ آفت مین ہے اک جان دل آزارون سے
فکر ہے سجدۂ معبود مین سر دینے کی
وار سے تیغون کے فرصت نہین دم لینے کی

خون مین تر پیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے
ہے جبین چاند سی پُر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تا بہ کمر زخمی ہے
تیرِ بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضربِ شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہرا و علی گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہان گرتے ہین

گرتے ہین قطرۂ خون زخم جبین سے پیہم
دست مجروح سے کھنچ سکتے نہین تیرِ ستم
فکر ہے بخشش امت کی کچھ اپنا نہین غم
کرتے ہین حمدِ خدا خشک زبان سے ہر دم
ہے عبا تیرون سے غربال قبا گلگون ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہین دہن پُرخون ہے

زین سے ہوتا ہے جدا دوشِ محمد کا مکین
برچھیان گرد ہین اور بیچ مین ہے سرورِ دین
چمنِ فاطمہ کا سرو ہے مائل بہ زمین
ہے یہ نزدیک گرے مہرِ نبوت کا نگین
پانون ہر بار رکابون سے نکل جاتے ہین
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہین

لاکھ شمشیرین ہین اور ایک تنِ اطہر ہے
سیکڑون خنجرِ فولاد ہین اور ایک سر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالمون کا لشکر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اُٹھا سکتے نہین
سامنے اہلِ حرم روتے ہین جا سکتے نہین

کوئی سید کا نہین آہ بچانے والا
پیاس مین کوئی نہین پانی پلانے والا
حربے لاکھون ہین اور ایک غم اُٹھانے والا
سنبھلے کس طرح بھلا برچھیان کھانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمین جلتی ہے
مارے گرمی کے زبان خشک ہے لو چلتی ہے

کہین دم لینے کو سایہ نہین ہے وقتِ زوال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
اینٹھی جاتی ہے زبان پیاس کی شدت ہے کمال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہین نڈھال
مثلِ خورشید بدن ضعف سے تھراتا ہے
نیّرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہین ظالمون سے خشک زبان دکھلاکر
اہلِ کین کہتے ہین یہ تیغِ ستم چمکاکر
بہرِ حق پانی کا اک جام پلا دو لاکر
آبِ شمشیر سے پیو برچھیون کے پھل کھاکر
یہ سخن سن کے بھی غصہ نہین فرماتے ہین
یاس سے سوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہین

عرض کرتے ہین یہ خالق سے کہ اے ربِ غفور
کرتے ہین یہ مجھے بیجرم و خطا تیغون سے چور

تو ہے عالم کہ نہین کچھ ترے بندہ کا قصور
ہاتھ امت پہ اُٹھانا نہین مجھکو منظور

جانتے ہین کہ محمدؐ کا نواسا ہون مین
پانی دیتے نہین دو روز کا پیاسا ہون مین

واقعہ نگاری

اُردو زبان کا ایک مشہور انشاپرداز لکھتا ہے ۔

" فارسی مین صدہا نظم و نثر کی کتابین ہین، جن کے خیالات، بارکی اور تاریکی عبارات مین جگنو سے اُڑتے نظر آتے ہین لیکن کیا حاصل ؟ اس انداز مین اصلی ماجرا ادا کرنا چاہو تو ممکن نہین، ایسی مان کا دودھ پی کر اُردو نے پرورش پائی تو اس کا کیا حال ہوگا "

فارسی کے متعلق تو یہ الزام تسلیم نہین کیا جاسکتا لیکن کچھ شبہ نہین کہ اُردو مین جس چیز کی بڑی کمی ہے وہ یہی واقعہ نگاری ہے، شاعری کی جو صنفین اُردو مین آئین وہ قصیدہ اور غزل تھی، ان دونون کو واقعہ طرازی سے کوئی نسبت نہ تھی، مثنویان جو لکھی گئین وہ مؤرخانہ نہین بلکہ عاشقانہ تھین، اس لیے اصلی واقعات کے اظہار کی چندان ضرورت پیش نہین آئی، اُردو زبان کی نسبت جو کم مایگی کی شکایت ہے وہ زیادہ تر اسی لحاظ سے ہے کہ وہ ہر قسم کے واقعات، معاملات، کاروبار معاشرت کے جزئیات کے ادا کرنے پر قادر نہین، اسی بنا پر اگر اردو نظم مین کوئی تاریخ کی کتاب لکھنا چاہین تو نہین لکھ سکتے ۔

واقعہ نگاری کی دو قسمین ہین ،

(۱) واقعہ نگار کسی تاریخی واقعہ کو بے کم وکاست نظم کردے، اسکے لئے صرف زبان پر قدرت درکار ہے، شاعری کی چندان ضرورت نہین -

(۲) واقعہ، اجمالاً معلوم ہے، لیکن واقعہ نگار، واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہے، وہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر فطرت کا اقتضا کیا ہے۔ ان تمام چیزون کو وہ موجود فرض کرلیتا ہے اور ان کو ادا کرتا ہے -

اس قسم کی واقعہ نگاری کا کمال یہ ہر کہ جو کچھ بیان کیا جائے بالکل بیان واقعی ہو، اور تمام واقعات مین اس قسم کا تناسب، ربط اور موزونی ہو کہ کسی واقعہ کی نسبت شک کا احتمال بھی نہ آنے پائے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کے لئے صرف قدرت زبان کافی نہین، بلکہ فطرت کا بڑا نکتہ دان ہونا درکار ہے -

مثلاً شاعر احباب کی جدائی کا واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو اسکو اُن تمام جزئی کیفیتون پر نظر ہونی چاہیئے جو اس حالت مین پیش آتی ہین۔ مثلاً یہ کہ اس حالت مین ایک دوسرے کو کس حسرت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہر؟ کس قسم کی باتین کرتا ہر؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت بے اختیار کیا حرکات صادر ہوتے ہین؟ آغاز کی کیفیت کس طرح بتدریج ترقی کرتی جاتی ہے؟ حاضرین پر ان سے کیا اثر پڑتا ہر؟ پھر جدائی جدائی مین بھی فرق ہے، باپ بیٹے کی جدائی، بھائی بھائی کی جدائی، زن و شو کی جدائی، احباب کی جدائی، ان مین سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہین، ان مختلف اور کثیر الانواع خصوصیات کا احاطہ کرنا، اور ان کو مؤثر پیرایہ مین ادا کرنا، شاعرانہ واقعہ نگاری ہے -

اسی طرح لشکر کشی، معرکہ آرائی، فتح و شکست، سفر و حضر، بیماری و موت قید و بند،

دشت نوردی و بادیہ پیمائی، سیکڑون ہزارون واقعات ہین، اور ہر واقعہ کی سیکڑون جزئیات ہین، ان تمام کا احاطہ کرنا، اور اُن کو ہو بہو ادا کر سکنا کمال شاعری ہے۔

اُردو زبان مین چونکہ ایک مدت تک بیہودہ مبالغہ اور خیال بندی کی گرم بازاری رہی، اس لئے واقعات کے ادا کرنے کے لئے جو الفاظ، ترکیبین، اصطلاحات مقرر ہین استعمال مین نہین آئین۔ اس لئے آج نئے سرے سے ان کو استعمال کیا جائے تو یا ابتذال یعنی عامیانہ پن، یا غرابت یعنی روکھا پن پیدا ہو جاتا ہے، نظیر اکبر آبادی کے کلام مین جو سوقیانہ پن ہے، اس کا یہی راز ہے۔ میر حسن نے اپنی مثنوی مین اکثر واقعات کا سمان دکھانا چاہا ہے اور یہ اُن کی صحیح المذاقی کا نتیجہ ہے، لیکن اکثر جگہ ابتذال پیدا ہو گیا ہے، ع کرٹے کو کرٹے سے بجائی چلی، اگر واقعہ نگاری یہ ہے تو شعرا نے اچھا کیا کہ واقعہ نگاری سے الگ رہے۔

واقعہ نگاری جب کمال کے درجہ تک پہونچ جاتی ہے تو اُس کو مرقع نگاری کہتے ہین، جسکو آج کل کی زبان مین کسی چیز کا سمان دکھانا، یا سین دکھانا کہتے ہین۔

میر انیس نے، واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے، اُردو کیا فارسی مین بھی اسکی نظیرین مشکل سے مل سکتی ہین، اُن کے کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین:

(۱) ہر قسم کے واقعات و معاملات و حالات اس کثرت سے نظم کئے ہین کہ واقعہ نگاری کی کوئی صنف باقی نہین رہی جو اُن کے کلام مین نہ پائی جاتی ہو۔

(۲) کوئی واقعہ جب سامنے آتا ہے تو عام نگاہین صرف نمایان باتون پر پڑتی ہین اور اس لیے جب لوگ اُن کو بیان کرنا چاہتے ہین تو انھی نمایان باتون کو بیان کرتے ہین، لیکن ایک دقیق النظر اُن تمام جزئیات پر بھی نظر ڈالتا ہے اور اُن کو ظاہر کرتا ہے، یہ جزئیات جب ادا کیے جاتے ہین تو سامعین پر اس طرح کا اثر پڑتا ہے

گویا کوئی بھولی ہوی بات یاد آگئی، اسکے علاوہ واقعہ کی پوری پوری تصویر کھینچنے سے دل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ یہ جزئیات اکثر شعرا نظرانداز کر جاتے ہین جسکی وجہ اکثر تو یہ ہوتی ہے کہ اُن پر عام نگاہین پڑ نہین سکتین اور زیادہ تر یہ کہ ہر شخص اُن کے ادا کرنے پر قادر نہین ہوتا لیکن میر انیس چونکہ فطرت اور معاشرت انسانی کے بہت بڑے رازدان ہین، اسلئے دقیق سے دقیق اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی اُن کی نظر سے بچ نہین سکتا، اس کے ساتھ زبان پر یہ قدرت ہے کہ کہین اُن کو دقت پیش نہین آتی۔

مثلاً ایک مقام پر گھوڑے کی تیزروی کو لکھا ہے۔ قاعدہ ہے کہ گھوڑا جب حد سے زیادہ تیز دوڑتا ہے تو اسکی دونون کنوتیان کھڑی ہو کر مل جاتی ہین، اس کو بعینہ اس طرح ادا کیا ہے،

ع دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین۔

حضرت عباسؑ جب نہر کے پاس پہنچے ہین، تو گھوڑا جو کئی دن کا پیاسا تھا، پانی دیکھکر بیتاب ہو گیا ہے لیکن حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین اس موقع پر واقعہ کی اصلی صورت کھینچنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس کشمکش کے موقع پر جو اضطرابی حالت پیش آسکتی تھی وہ دکھائی جائے چنانچہ میر انیس کہتے ہین ؎

واقعہ کی جزئیات

دو دن سے بےزبان پہ جو تھا آب و دانہ بند	دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند	چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا مُنہ سوار کا

یا مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سامنے اُن کے ترسانے کو جب عمر بن سعد نے پانی منگوا کر پیا ہے، اس موقع پر کہتے ہین ع ظالم نے ڈگڈگا کے پیا سامنے جو آب،

ڈگڈگا کے پانی پینا، ایک معمولی اور غیر مہتم بالشان واقعہ ہے لیکن ایک تشنہ لب کے ترسانے کے مضمون مین اسکا اظہار حسن بلاغت کا ایک بڑا ضروری نکتہ ہے -

یا مثلاً ایک موقع پر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت کو لکھا ہے ع وہ ہات ہٹ کے آپ نے رکھا ایال پر، گھوڑے سے ذرا ہٹ کر ایال پر ہات رکھنا اور سوار ہونا، سواری کی مخصوص حالت ہے، اس لیے واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لیے اس حالت کا دکھانا ضرور تھا -

یا مثلاً حضرت شہربانو جب اپنی بیٹی صغرا سے رخصت ہونے لگی ہین تو اصغر کی طرف جو صرف چھ مہینے کے تھے، رخصت کے معمولات ادا کرائے ہین، اس موقع پر اکثر مستورات کا دستور ہے کہ بچے کا ہاتھ اسکی پیشانی پر رکھکر کہتی ہین کہ دیکھو یہ تمھین سلام کرتے ہین، اس حالت کو بعینہ ادا کیا ہے ؎

بانو نے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھکر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغر

یا مثلاً جوانانِ اہلبیت کی سیر و خوشخرامی کے موقع پر لکھتے ہین ؎

زلفین ہوا مین اڑتی تھین ہاتھون مین ہات تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوے ساتھ ساتھ تھے

یا مثلاً جب رفقاے امام علیہ السلام صف نماز سے لڑائی کے لیے اٹھے ہین اس موقع پر لکھتے ہین ؎

طیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوے
تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اٹھ کھڑے ہوے

یا مثلاً حضرت عباس جب گھوڑا اڑاتے ہوئے نہر کی طرف گئے ہین تو دریا کے نگہبانون سے جو نشیب مین تھے، اسوقت آنکھ چار ہو جاتی تھی، جب گھوڑا زیادہ اونچا اڑ جاتا تھا، اس حالت کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

برچھیون اڑتا تھا دب کے فرس رانون سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانون سے

یا مثلاً سکینہ جب قید خانہ میں دربانوں سے اپنا حال کہنے گئی ہیں یہاں لکھا ہے ؎

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر ‌ ‌ ‌ دیوار پکڑ پکڑ کے گئی وہ قریبِ در
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر ‌ ‌ ‌ دربانو! جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر
بیکس ہوں، تشنہ لب ہوں، فلک کی ستائی ہوں
کچھ تم سے اپنا حال میں کہنے کو آئی ہوں

دو حریفوں کی معرکہ آرائی کو جہاں مرزا دبیر وغیرہ لکھتے ہیں، صرف عام طرح پر اوپری اوپری باتیں لکھ دیتے ہیں، یہ مطلق پتہ نہیں چلتا کہ دونوں نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، لیکن میر انیس اکثر جگہ اُن خصوصیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں؛ اور یہ اُن کی قدرت زبان کی سب سے بڑی دلیل ہے، مثالیں رزمیہ کے عنوان میں آئینگی، اب ہم ہر قسم کی واقعہ نگاری کی چند مثالیں درج کرتے ہیں،

ا۔ حضرت امام حسین ع کا کربلا میں داخلہ، دشمنوں کی روک ٹوک، رفقاے امام ع کی برہمی، امام علیہ السلام کی صلح پسندی اور درگذر وغیرہ وغیرہ ؎

آخر یہ کہکے کشتی امت کا ناخدا ‌ ‌ ‌ جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا ‌ ‌ ‌ دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباس ع جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند ‌ ‌ ‌ کیوں یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند ‌ ‌ ‌ بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شبیر اب یہیں رہینگے عنایت جو رب کی ہو
بس کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہان سے بڑھے آپ چند گام — گویا زمین کی سیر کو اُترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام — شکلین وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفین ہوا مین اُڑتی تھین ہاتھون مین ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوے ساتھ ساتھ تھے

اٹکنے لگے پہاڑون کو مسلم کے دونون لال — پھولون سے کھیلنے لگے زینب کے نونہال
سبزے سے وان کے ابن حسن خوش ہوے کمال — کی عرض اس زمین کا ہر اک گل ہے بےمثال
اے خسروِ زمین یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یان کی خاک مین عطر عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوے دریا شہ امم — الیاس شاد ہو کے پکارے بصد حشم
اچھلین درود پڑھتی ہوئی مچھلیان بہم — بولے حباب آنکھون پہ شاہا! ترے قدم
پانی مین روشنی ہوئی حسن حضور سے
لے لین بلائین پنجۂ مرجان نے دور سے

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہرو — دھویا کسی نے رخ تو کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنارِ جو — بھر لائے اشک آنکھون مین شبیر نیکخو
کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھون سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامور — خیمہ کہان بپا کرین یا شاہِ بحر و بر
ایذا ہے محملون مین بہت اہلبیت پر — بچے ہین نازکی مین گلون سے زیادہ تر
کب سے عماریون کے ہین پردے چھٹے ہوے
گرمی کے مارے دم ہین بچون کے رکے ہوے

کچھ سوچ کر امامِ دوعالم نے یہ کہا
زینبؑ جہاں کہیں وہیں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا
جاکر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار امام غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سن کے دخترِ خاتونِ روزگار
اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل ہے نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختارِ کائنات کے تم نورِ عین ہو
اُترو وہاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتوں میں پانچ مہینے ہوئے بسر
ہیں آندھیاں یہ گرمی کے ایام ہے سفر
دن بھر چلے ہیں دھوپ میں جاگے ہیں رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہ جبل میں پہاڑ تھا

آج اس زمیں پہ ہمیں لایا ہے آسمان
اب دیکھیے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جان
یا رب مسافروں کو مبارک ہو یہ مکان
دشمن بہت ہیں بادشہ خوش خصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی سستی ہی بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
ہو جو مسن ہیں اُن سے بھی لازم ہے مشورت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجئے اے بنتِ مرتضا
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا
لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہیں ہے جا
جو نہر فاطمہؑ میں سہے یہ وہ فرات ہے
گرمی میں قرب نہر کا آب حیات ہے

حضرت کے حکم کا متردد ہو جاں نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضورِ سبطِ پیمبرؐ وہ ذی وقار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اُتریں یہیں یہ مرضی آل رسول ہے
بولا وہ بحر فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سن کے خادموں کو پکارا وہ مہ جبین
فراش آ کے جلد مصفا کریں زمین
حاضر ہوں آب پاش محل دیر کا نہیں
یاں ہوگا خیمہ حرم بادشاہ دین
جلد اُن کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اشتروں سے قناتیں اُتار کے

بولے زہیر قین کہ حاضر ہیں سب غلام
بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروف اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
رتبے میں ہو گئی وہ زمین عرش احتشام
پر تو فگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

تھا فکر میں خموش دو عالم کا تاجدار
کھلوا رہے تھے خیموں کو عباسؑ ذی وقار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یہ ذکر تھا کہ بن مین سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی وشت ظلم سے کوسون صدا گئی
گھوڑون کے دوڑنے سے زمین تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
اک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا
ابن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

بولے ملازمون سے یہ عباسؑ باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا ؟
آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کون سا ؟
کہدو کہ اہلبیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیون کا احترام ہے
اُترین الگ کہین یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشین ہے لخت دل سید البشرؐ
آئین خسروی سے یہ واقف نہین مگر
آتی ہے اُڑکے گھوڑونکی ٹاپون سے گرد ادھر
کیا ہے جو روکتے نہین باگین یہ خیرہ سر
بھولے ہوے ہین اسپہ کہ ہم خاکسار ہین
شاید ہوا کے گھوڑون پہ ظالم سوار ہین

اُس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام
حکم امیر ہے یہین اترے سپاہ شام
چھوڑینگے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہو مقام ؟
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجئے خیام
لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہونگے فرات پر

کوفے سے کل جوان ادھر آئے ہین دس ہزار
رستے مین شام کے ابھی فوجین ہین بیشمار
خالی ہین منزلین نہ بیابان نہ کوہسار
شہرون سے پرگنون سے چلے آتے ہین سوار
لاکھون ہین کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلے گی جب پسر سعد آئے گا

فوجون کا جائزہ تھا وہان ہم چلے تھے جب
گرد مین بیس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
دستون کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
ایسے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہین کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہین ادھر
ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی مین گونجا وہ شیر نر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضہ پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم شکار سے

غصے مین رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے ہٹینگے ہم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہین جس جا جمے قدم
بپھرین جو شیر سامنے آتا نہین کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس مین سماتا نہین کوئی

تم کون ہو حسینؑ ہے مختار خشک و تر
ان کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
دیکھو فساد ہوگا بڑھوگے اگر ادھر
شیرون کا یان عمل ہے تمھین کیا نہین خبر
سبقت کسی پہ ہم نہین کرتے لڑائی مین
بس کہدیا کہ پاؤن نہ رکھنا ترائی مین

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
بلوہ جو ہو گیا سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوے تھے نیزہ دار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ہلا نہ سکتے تھے آنکھ اُس دلیر سے
ایک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابو تمامہ و سعد فلک سریر — تو بی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کمان مین ابن مظاہر نے ایک تیر — بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر
عابس کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا
غصّے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

الٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین — قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرؑ حسین
بولے پکڑ کے نیچے زینبؑ کے مہ جبین — شیرشن سے کیا ترائی کو لے لینگے اہل کین؟
کیجئے تو نیزہ بازون کو ہم دیکھ بھال لین،
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھین نکال لین

آگے تھے سب کے حضرت عباسؑ ذی حشم — بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیرون کو دمبدم
تیغین جو تولتے تھے ادھر بانی ستم — کہتے تھے سر نہ ہوگا بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جسدم وہ شیر نر — گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی اُدھر
تیغین جو کھچ گئین تو ہوا اور شور و شر — گھبرائے اہل بیت شہنشاہ بحر و بر
آغوش مین پھوپی کے سکینہؑ دہل گئی
غل پڑگیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد — ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدون سے کیا سبب کینہ و عناد — دیکھے کوئی کدھر ہین شہنشاہ خوش نہاد
ہمشیر کو نثار امام امم کرو
لوگو! دعائین اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضےٰؑ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہین اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہین عباسؑ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکارین پیٹ کے زانو بصد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھین جلال
کہدے کوئی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
مین ہاتھ جوڑتی ہون کہ غصّے کو تھام لو

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہر امام
عباسؑ اُدھر غضب مین بڑھے سوئے فوج شام
کرسی سے جلد اُٹھ کے پکارے شہِ انام
بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے بر و بحر ہماری نگاہ مین
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ مین

آؤ تمھین قسم ہے جناب امیرؑ کی
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
ہمراہ بیٹیان ہین شہِ قلعہ گیر کی
سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے؟

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
پر تھی شکن جبین پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ امم
گردن جھکا دی تا نہ ادب مین خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھون سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور
حکم خدا ہے حکم شہنشاہ بحر و بر
کہدیجیئے اُن سے کاٹ کے لیجائیں میرا سر
اب کچھ کہوں زبان سے کیا تاب کیا جگر
میں ہوں غلام آپ کے ادنےٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
لو اب اُٹھالو تیغ و سپر تم پہ میں فدا
کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا ہے کیا
دریا کو تم تو لے چکے اے میرے مہ لقا
وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں

۲۔ حضرت عباس علیہ السلام جب میدان جنگ میں گئے ہیں تو شمر نے یہ ترغیب دی کہ ناحق آپ اپنی جان کیوں گنواتے ہیں اُدھر سے ٹوٹ کر ہماری طرف آجائیے تو منصب اور جاگیر اور کیا کچھ نہ ملے گا، حضرت عباسؑ نے نہایت برہم ہو کر اُس کی درخواست کو رد کیا، یہ سوال و جواب ہو رہے تھے کہ دشمنوں نے یہ خبر اُڑادی کہ عباسؑ ہماری طرف آگئے، اہل بیت اور خاص کر حضرت عباسؑ کی بیوی پر اس وقت جو اثر ہوا، اور جو باتیں ہوئیں اِن کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

واں شمر و علمدار میں ہوتی تھی یہ تقریر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالم بے پیر
یاں خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑے تھے شہ دلگیر
چلّایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوئے شبیرؑ
اِس فوج میں فرزند امیر نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا

اک شمر سے یہ بولا پسر مخبر صادق
یہ بات نہیں رتبۂ عباسؑ کے لائق
کاذب ہیں جفاکار ہیں مفسد ہیں یہ فاسق
وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق

بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسؑ علی مجھ سے برائی نہ کرے گا

ناموس نبیؐ مین بھی یہ چرچا ہوا اک بار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسؑ علمدار
زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانونگی مین زنہار
کیا ماجرا ہے بی بی ہو مجھ سے کرو اظہار
ہے دیر[١] سے اک شور بپا لشکر کین مین
وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کین مین

بولی یہ سکینہؑ[٢] کہ چچی تم سے کہون کیا
اور کہتے ہین آپس مین خوشی ہو کے یہ اعدا
روتے ہین کمر پکڑے ہوے ہاتھون سے بابا
عباسؑ ملا ہم سے شہ دین ہوے تنہا
اس صدمے سے ننھا سا کلیجہ مرا شق ہے
مین پیاس بھی بھولی ہون یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہؑ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
غرقِ عرقِ شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
پھر سوچ کے کہتی تھی کہ بیجا ہے یہ وسواس
قوت شہ والا کی انھین سے تو فقط ہے
عباسؑ پھرے شہ سے؟ نہ مانونگی غلط ہے

[١] یہان عجب بلاغت کا اظہار کیا ہے۔ حضرت عباسؑ کی بیوی لوگون سے واقعہ کو تحقیق کرنا چاہتی ہین لیکن اُنکی زبان سے نہین نکل سکتا کہ "کیا درحقیقت عباسؑ دشمنون سے مل گئے" اس لئے اُنھون نے اس پیرایہ مین سوال کیا کہ کیا دشمنون نے اُن کو قید کر لیا، یعنی اگر وہ دشمنون کے مجمع مین چلے بھی گئے تو قید ہو کر گئے ہونگے ورنہ یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ دشمنون سے جا کر مل جائین ۱۲ منہ

[٢] اس بلاغت کو دیکھو کہ اہل حرم سے کسی نے اس جھوٹی خبر کا زبان پر لانا بھی نہ چاہا، لیکن سکینہؑ بالکل بچی تھین، اس لئے اُنھون نے جو سُنا تھا بیان کر دیا۔

بھائی کو وہ پیارے ہیں انھیں بھائی ہے پیارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا
قسمت ہی الٹ جائے تو اس کا نہیں چارا
لیکن فلک اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا
بھائی کو کبھی بھائی سے پھرتے نہیں دیکھا

اس سوچ میں پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر
رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
اس کا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کہینگے آن کے سرور
یارب نہ سنوں میں کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان میں جاؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ہتیار لگاؤ
بیتاب ہوں اے لال خبر باپ کی لاؤ
تھے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھ آؤ تو لڑتے ہیں کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہوں میں بیکس و ناچار
صدقے گئی کہیو مری جانب سے بتکرار
کہتے ہیں عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیوں کرتے ہو گفتار
وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھیں کیا ہے

۳۔ ابن سعد کربلا میں داخل ہوتا ہے، اور خولی سے حالات دریافت کرتا ہے، خولی ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے ۔

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان
موجوں کی طرح سب تھیں صفیں پیش و پس روان
امڈا زمیں پہ ظلم کا دریائے بیکران
لہراتے تھے ہوائے علم مثل بادبان

ہلتا تھا دشت کین دہل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل
مکار و اہل نار و دغاباز و پُر دغل
خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
شکلین مہیب دیو سے قد ابروؤن پہ بل
بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
غل ہو گیا سلامی کے باجون کا ایک بار
"آگے بڑھے چلو" یہ نقیبون کی تھی پکار
گھوڑون پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرّین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

اُترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
بولا کسی سے پھر وہ سوے نہر دیکھکر
خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوشخصال کا
دریا پہ تو عمل نہین زہرا کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری مان کا مہر
آئے تھے یان اُترنے کی خاطر امام دہر
ہمنے اٹھا دیا اُنھین لیکن بجبر و قہر
عباسؑ مستعد تھے سبھون سے لڑائی کو
شبیرؑ پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ مین ہے خیمۂ زنگاری حسینؑ
پہرون علیؑ کی بیٹیان روتی ہین کرکے بین
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
آفت مین مبتلا ہے محمدؐ کا نور عین

بچوں کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ میں ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہِ امم
اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہیں کم
سنتے تھے واں سپاہ حسینی کی دھوم ہم
فاقوں کے مارے دم میں کسی کے نہیں ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
میں نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہیں

ہے ایک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشان
اردو میں جنس غم کے سوا جنس ہے گران
یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کاروان
غلّہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و نان
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہیں
کل ستّرہ تو اونٹ ہیں اور بیس گھوڑے ہیں

مطبخ ہے سرد آگ کا انہیں نہیں ہے نام
خاک آبدار خانے میں اڑتی ہے صبح و شام
بچے ہوائے گرم سے بیتاب ہیں تمام
کیونکر لڑینگے بیکس و مظلوم تشنہ کام
یاں سیکڑوں کمانیں ہیں فوجِ امیر میں
دو دو گرینگے خاک پہ اک ایک تیر میں

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
ہیں ان میں سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
کچھ نوجوان ہیں طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر
پس جائینگے وہ ٹاپوں سے ہنگام دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طاقت دکھائینگے
ان سے تو تیغے بھی سنبھالے نہ جائینگے

کیا جانے دل میں سوچے تھے کیا شاہ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا
مقتل میں کھینچکر انہیں لے آئی ہے قضا
عمریں ہیں چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا

کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین ؛
اُن کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

ہمشکل مصطفیٰ کو تو اٹھاروان ہے سال — تیرہ برس کا ہے ابھی شبّر کا نونہال
نو دس برس کے ہوئینگے زینب کے دو نولال — ہان اک جوان ہین حضرت عباسؑ خوش خصال
چھوٹے ہین اور سب کوئی ان مین جوان نہین
خط اک طرف مسین بھی کسی کی عیان نہین

سنتا ہون مین ہین دو پسر شاہ نامدار — بیمار اُن مین ایک ہے اور ایک شیرخوار
زینبؑ کے دو ہین تین حسنؑ کے ہین گلعذار — دس ہین عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ کے یادگار
زہراؑ کے جان و دل ہین محمدؐ کے پیارے ہین
یہ سترہ تو چاند ہین باقی ستارے ہین

بتّیس سب سوار شہ دین کے پاس ہین — اب رہ گئے پیادے سو دو کم پچاس ہین
آفت مین مبتلا ہین مگر باحواس ہین — غازی ہین سرفروش ہین اور حق شناس ہین
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہین اور دعائین ہین اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہونگے جوان یان کے کے ہزار — خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہین شمار
ہین تین چار کوس کے گردے ہین سب سوار — اک اک جوان ہے رستم میدان کارزار
کیا کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہین صفین کہ سمندر کی موج ہے

پیدل ہین اک طرف تو رسالے ہین اک طرف — خنجر ہین ایک سمت تو بھالے ہین اک طرف
جانباز ہاتھ قبضون پہ ڈالے ہین اک طرف — اور دس ہزار برچھیون والے ہین اک طرف

سب لوگ فکر قتل شہنشاہ دین مین ہین
کھینچے ہوے کمانون کو سرکش کمین مین ہین

ہاتھون مین پہلوانون کے ہین گرز گاؤ سر
ضربت سے جنکے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
ہر جا کچھی ہوئی ہین کمندین ادھر اُدھر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالونکی نہر پہ

سب لوگ جابجا پئے قتل و ستیز ہین
تیغین بھی ہین اُبی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
نوک اسکی سینۂ علی اکبرؑ کے ہو گی پار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
آئے تو رن مین حضرت شبیرؑ کا یادگار

اب کوئی دم مین گھر کے حسنؑ کی صفائی ہے
تلوار آج زہر مین مین نے بجھائی ہے

۴- فوج آراستہ ہو رہی ہے، اور علم لاکر رکھا گیا ہے۔ عون و محمدؑ جو امام علیہ السلام کے بھانجے اور حضرت زینبؑ کے صاحبزادے ہین علم کے استحقاق کے دعویدار ہین اور چاہتے ہین کہ امام علیہ السلام سے اس منصب کی درخواست کرین۔ اسوقت کی گفتگو حضرت زینبؑ کی آزردگی، اور فہمایش، اور دیگر واقعات -

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم
کیون بھائی علم لینے کو ماموں سے کہین ہم
تائید خدا چاہیئے گو عمر مین ہین کم
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم

واقف ہین سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہین ہم دونون طرف سے

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار
ہم اپنے بزرگون کے ہین منصب کے طلبگار
کہنا تھا بڑا عرض کا موقع نہین زنہار
ہین بادشہ کون و مکان مالک و مختار

عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہون
چپکے رہو اماں نہ کہین سُن کے خفا ہون

مطلب علم سے نہ حشم سے ہمین کچھ کام
یہ سر ہون نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام
مٹ جائین نشان بس یہی عہدہ یہی نام
عزت ہے یہی بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہین علمِ فوج خدا دین
مشتاق اجل ہین ہمین مرنے کی رضا دین

روتی تھی جو پردے کے قرین زینبؑ دلگیر
فضّہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر
سب اُس نے مفصّل یہ سنی بیٹون کی تقریر
دونون کو اشارے سے بلانے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سن لین اُسے فرصت اُنھین گر ہو
عباسؑ نہ دیکھین نہ شہِ دین کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
کیا باتین ابھی بھائی سے تھین ای مرے دلدار
چھوٹے سے یہ فرمانے لگین زینبؑ ناچار
اس وقت ہین ہو کون سے منصب کے طلبگار
سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے اور تمھین منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
دیکھو ابھی تم دونون سے ہو جاؤنگی بیزار
بچو تمھین ایسا نہ سمجھتی تھی مین زنہار
کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار
کیا دخل تمھین امر مین سلطانِ اُمم کے
دیکھونگی نہ پھر مُنہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہین علم نکلا ہے جب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے شب سے

اِس امر مین خاطر نہ کرین اور کسیکی
مین خوش ہون بجالائین وصیت کو علیؑ کی

مانا کہ پہونچتا ہے تمھین منصب جعفرؑ
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹون کے برابر
آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھکر
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑونگی گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
شاہون سے غلامون نے بھی کی ہو کبھی تکرار
یون کہنے لگے جوڑکے ہاتھون کو وہ دلدار
مالک ہین جسے چاہے علم دین شہ ابرار
رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہین
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہین

زینبؑ نے کہا لیکے بلائین کہ سدھارو
مان صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو
بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھون مین خدا زور علیؑ کا

۵ حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ مین جانے کے لئے پھوپی اور امان سے اجازت طلب کرتے ہین، اُن دونون کا اضطراب۔ اور سوال وجواب ۵

خیمے مین آئے روتے ہوے اکبرؑ حزین
اک آہ سرد بھرکے یہ بولا وہ مہ جبین
چھاتی لگایا مان نے پھوپی نے بلائین لین
نرغے مین ظالمون کے اکیلے ہین شاہِ دین
روتے ہین غیر سیدِ والا کے حال پر
اماں مقام رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس ... بازو شکستہ ضعف بصارت ہجوم یاس
اب مین ہون اور کوئی نہین شاہِ دین کے پاس ... اس پر بھی اضطراب نہین کچھ نہ ہے حواس
گھیرے ہین سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہین تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہان امام کہان وہ ہجومِ عام ... مین یان ہون اب تو اور بڑھی ہوگی فوجِ شام
فریاد ہے کوئی نہین آتا ہمارے کام ... مٹتا ہے صفحۂ دو جہان سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھون کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوندِ خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب ... اچھا مرینگے بعدِ شہِ آسمان جناب
ہم بھی نہین اگر نہین فرزندِ بوتراب ... ذرہ کہان؟ غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیرِ اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

مجھکو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کرون ... راہِ خدا مین فوج سے تنہا وغا کرون
سر سے حقوق والد ماجد ادا کرون ... مالک مرے اگر نہ رضا دین تو کیا کرون
وان اقتلوا الحسینؑ کا اعدا مین شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والون سے زور ہے

تم دونون صاحبون سے ہے اب ملتجی سوال ... اول تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصت جدال
رکھ لیجیے آبروے پسر ہر دو ذو الجلال ... آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
للہ ہاتھ اٹھائیے اب نورِ عین سے
امان ہین عزیز نہ کیجیے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول — جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول — نہ جائینگے نجف نہ سوے روضۂ رسولؐ

جنگل کی راہ لینگے گریبان کو پھاڑ کے
کافی ہیں مُنہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر — کہدیجیے نہ آئینگے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امامِ دین پہ ہوے سارے ناموَر — کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پسر

بستی بسا کے رن میں شہِ کربلا رہے
کنبہ سے مُنھ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہکے جو وہ چودھویں کا ماہ — بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں دُنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے مُنہ پہ یاس سے زینبؑ کی نگاہ — گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ

بنتِ علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانوؑ پسر کے پانوں پہ غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر — بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر — زینبؑ پکاریں چھوڑ کے ہمکو چلے کدھر

اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر — گرنا وہ بچپنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گہر — یا آج تیغ ہاتھ میں ہے دوش پر سپر

غازی ہو صفشکن ہو سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

داداکا مرتبہ تمھین شہ رب ذوالجلال
قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
قابل ہو رحم کرنے کے واری ہمارا حال
بچپن کی دائیون کا بھی رکھیئے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھین ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

قوت تمھین ہو دل کی تمھین پارۂ جگر
یہ بھی خبر نہین مجھے کب مر گئے پسر
لاشین بھی گھر مین آئین تو پیٹا نہ مین نے سر
مین کہتی تھی جیے یہ مرا غیرت قمر
اکبرؑ تو ہے اگر مرے پیارے نہین نہین
روشن ہے گھر مین چاند ستارے نہین نہین

باتین یہ کرکے منہ پہ لیا گوشۂ ردا
سر جوب سے پٹک کے کہا وا محمدا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پر وہ مہ لقا
کی عرض رو کے ای پھوپی امان کرون مین کیا
مین بے وفا نہین ہون یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹائیے تو ردا بہر کردگار
اچھا نہ جائینگے سوئے میدان کارزار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دلفگار
مین کون؟ صدقے جاؤن تمھین کو ہو اختیار
صغرؑ ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے یاس ہے
رخصت گلا کٹانے کی لو مان تو پاس ہے

اکبرؑ نے مان کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
مان نے کیا اشارہ کہ اے غیرت قمر
تم سے پھوپی خفا ہین جھکا دو قدم پہ سر
قربان جاؤن عذر کرو ہاتھ باندھ کر
سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
تقصیر عفو کیجیے اسے خواہر امام
بس اب زبان سے کچھ نہین کہنے کا یہ غلام
میری تو مان ہین آپ مجھے کیا کسی سے کام
بندے پہ کی ہے مان نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتون کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اکبر نے یہ کلام کیے جب بصد ادب
الفت کا جوش آگیا بنت علی کو تب
لیکر بلائین چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
کڑھتے ہو کس لیے مین تمھین دیکھتی ہون کب
سچ ہے جہان مین تم سا کوئی باوفا نہین
واری تمھارے سر کی قسم مین خفا نہین

کیون کانپتے ہو اشک ہین آنکھون سے کیون روان
تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیان
لو مین نے دی رضا تمھین اے میرے نوجوان
تم جانو آگے صدقے گئی اور تمھاری مان
یون تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ مان کا حق بھی کم نہین ہوتا ہے باپ سے

آنکھین بچھائین مان نے جو تم گھٹنیون چلے
تلوون سے اس نے دیدۂ حق بین سدا ملے
نازون سے منتون سے مرادون سے تم پلے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت مین کھوئی ہے
برسون یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے

بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
اس قافلہ مین آپ ہین اب فاطمہ کی جا
مین نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
صدقے ہے یہ بھی صورت پروانہ آپ پہ
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پہ

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
لے لیں بلائیں بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بانوؑ بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
بولی لپٹ کے بالی سکینہؑ کہ اے پدر
سنتی تھی میں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہیں

بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہدیٰ
کہیے پھوپھی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا
راہیں سب اُن کے روکنے کی بند ہو گئیں
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں

ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
اماں نے بھی رضا ہمیں دی اور پھوپھی نے بھی
زہراؑ کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علیؑ
آقا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپی نے جلا لیا

ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
نامِ خدا زبان کی طلاقت تو دیکھیے
زینبؑ یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھیے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھیے
کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زبان ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دین
تم دو گی رخصت ان کو سمجھتے یہ نہ تھا یقین
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انسان کا بس نہیں
آیا تھا اتنی عمر ہی لے کر یہ مہ جبین
بیجا ہے روکنا جو یہ طالب قضا کے ہیں
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہیں

۷ ۔ عونؑ اور محمدؑ زخمی ہوکر قریب المرگ ہین، حضرت علی اکبرؑ انکی لاش اُٹھانے کے لئے جانا چاہتے ہین، حضرت زینبؑ (عونؑ و محمدؑ کی ماں) ان کو روکتی ہین، لاشین گھر مین آتی ہین، حضرت زینبؑ لوگون کو رونے سے منع کرتی ہین لیکن آخر ضبط نہین ہوسکتا، اور خود بین کرتی ہین ؎

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہین پیاری
سر ننگے مین نکلونگی جو تم جاؤگے واری
بتلاؤ تو، مین انکی ہون عاشق کہ تمھاری

میدان کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نجائین
تلوارون مین عباسؑ دلاور بھی نجائین

بیٹون سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
اِک دولت اولاد لٹائی تو لُٹائی
سر پر مرے دنیا مین سلامت رہین بھائی
کیا اُٹھ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی

کیون روؤن ہین دنیا مین جو دلبند نہین ہین
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہین ہین

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
ٹکڑے کیا معصومون کو تلوارون کے مارے
لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
وہ لوٹتے ہین خاک پہ دو عرش کے تارے

پامالی کو ان دونون کے اسوار بڑھینگے
بچّون کے سر اب کٹ کے نشانون پہ چڑھینگے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرتِ عباسؑ
سر کھولے ہوئے بیبیان ڈیوڑھی کے جو تھین پاس
گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سب سے کہا لو شہ کی بہن ہوگئی بے آس

ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب باقی ہے صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا اندرون مین برپا
زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا؟
بھائی ہین سلامت مجھے کیون دیتے ہو پرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائین گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائینگے شبیرؑ

باتین یہ کہین سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
وان لاشون پہ روتے ہوے پہونچے شہ ابرار
مہمان کوئی ساعت کے تھے وہ جگر افگار
کس عمر مین ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رخ زرد تھے اور خاک مین آلودہ تھے گیسو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہ نو سے وہ ابرو
تلوارون سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو
مہتاب سی وہ چھاتیان اور تیر سے پہلو
پھکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹون پہ زبانین نکل آئی تھین عطش سے

ٹکڑے ہوا سینہ مین دلِ سبطِ پیمبرؐ
ہے ہے نے کہا اور لاشون سے لپٹے شہ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش مین آ کر
بالین پہ حضور آئے ہین چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سید ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سن کر یہ صدا غش سے جو چونکا دلِ افگار
دونون نے رکھا سر قدم شاہ پہ اک بار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ او شاہ کی دلدار
دشمن ہین بہت قبلۂ عالم سے خبردار
ہم دونون غلامون کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹین جو امان انھین سمجھائیو بھائی

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمہ مین آئی … رانڈون نے اُدھر ماتمی صف گھر مین بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہین بھائی … فضہ یہ پکاری کہ دُہائی ہے دُہائی

لو چاک گریبان کئے آتے ہین شبیرؑ
معصومون کی لاشون کو لئے آتے ہین شبیرؑ

بیٹھی صفِ ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر … سیدانیون نے آٹھ کے اُدھر پیٹ لیے سر
لاشون کو لئے آئے جو گھر مین شہ صفدر … زینبؑ کے قرین بیٹھ گئے سر کو جھکا کر

فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمھارے
لو دُودھ انھین بخشو پسر آئے تمھارے

دیکھا جو لہو بچون کا چھاتی اُمنڈ آئی … نزدیک تھا مر جائے ید اللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اُسنے دکھائی … سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی

بچے مرے قربان ہوئے احسان خدا کا
اے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

رو کر شہ والا نے کہا صدقے ہین تم پر … دم بھر انھین رو لو کہ یہ مہمان ہین خواہر
بانوؑ نے اشارا کیا اے سبط پیمبرؐ … قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر

گر ضبط اسی طرح سے فرمائین گی زینبؑ
یہ ماتمِ اولاد ہے مر جائین گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ … فرزندون کو چلانے لگی زینبؑ ذیجاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہین آہ … صدقے گئی جاؤ شہ کونین کے ہمراہ

زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی مین دونگی
اچھا مین تمھین دونون سے ماںجائے کو لونگی

لو تیغے کاندھون پہ دھرو اے مرے پیارو
گو پیاسے ہو دو دن کے پہ ہمت کو نہ ہارو
تنتے ہوے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
یہ خون مین ڈوبے ہوے کپڑے تو اُتارو
اُٹھ بیٹھو مین صدقے گئی اتنا نہین سوتے
اس طرح تو جاگے ہوے دولہا نہین سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورت بسمل
بچو تمھین کیا سُن کے کہینگے شہ عادل
سلجھاؤ یہ زلفین کہ اُلجھتا ہے مرا دل
کیا غش مین ہو یہ سونے کا نقشا نہین ہوتا ؎
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہین سوتا

مثال ۔ ۱۸۰۔ شیرین کو خبر ہوئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام مع تمام خاندان کے اُس کے گھر تشریف لاتے ہین اور وہ مہمانی کا سامان کرتی ہے اور اپنے عزیزون کو خوشخبری دیتی ہے ۔

یہ کہکے اُس نے فرش کیا گھر مین سر بسر
مسند بچھائی بہر شہنشاہ بحر و بر
مومن کے دل کی طرح مصفا ہوا وہ گھر
تکیون کو صاف کر کے لگا یا ادھر اُدھر
کہتی تھی میرے گھر مین ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امام زمن کا ظہور ہے ؛

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کے واسطے
یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
یہ گھر ہے شاہ دین کے برادر کے واسطے
راحت سے شہ نشین یہ امام زمن رہین
حجرہ یہ اس لئے ہے کہ دولہا دلھن رہین

؎ یہ اشعار جذبات کے عنوان مین بھی داخل ہو سکتے ہین ۔

کرسی کو لاکے جلد کسی جا بچھاتی تھی — سختون کو کشتیون مین کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے مین بہر شکر کبھی سر جھکاتی تھی — گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ جاتی تھی
چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بیقرار تھا
فرزند فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جا کر کبھی خواصون سے کرتی تھی یہ کلام — کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہین اب امام
بھر بھر کے آب سرد کے رکھدو ہوا مین جام — لبریز آب گرم سے کر دو سبو تمام
پردیسیون کو خیر سے جب گھر مین لاؤنگی
ہاتھون سے اپنے پاؤن سبھونکے دھلاؤنگی

ہمسائیوں سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار — اب کیجیو زیارتِ سلطانِ نامدار
ہے باغِ فاطمہؑ یہ عجب حسن کی بہار — رشکِ ریاضِ خلد ہے ایک ایک گلعذار
سب نونہال گلشنِ دین لاجواب ہین
قد سروِ باغ حسن ہین رُخ آفتاب ہین

شمشادِ بوستانِ پیمبرؐ کو دیکھیو — سرو ریاضِ حضرتِ شبّرؑ کو دیکھیو
کیا نوجوان ہین شہ کے برادر کو دیکھیو — سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حسن ملک کا نہ حور کا
جلوہ ہے اُس جری مین محمدؐ کے نور کا

خالق رکھے اُسے صد و سی سال برقرار — نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
بہنین فدا ہین باپ تصدق ہو مان نثار — سر پر پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہین چار
چہرے کے آگے نیرِ تابان بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

اب خیریت سے گذریگا اٹھارواں جو سال
شادی کرینگی بیٹے کی بانوئے خوشخصال
زینبؑ کو اسکے بیاہ کا ارمان ہے کمال
ہردم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
آتی ہین نسبتین حلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہوویگی دھوم سے

جب ڈھل گئی اُسے اِنھین باتون ہین دوپہر
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اب تک نہ آئے گھر مین شہنشاہ بحر و بر
اُترے کہان کسی سے مفصل سُنی خبر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشواے خلق کی تو ۔ ۔ ۔ پیشوائی کو

کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
لونڈی کو سرفراز کرو یا شہ اُمم
کرتے ہین اغنیا غربا پر سوا کرم
اب بے حضور چین نہین مجھکو ایک دم
کچھ آج ہے تپش سی دل بیقرار مین
آنکھین سپید ہو گئی ہین انتظار مین

قربان ہو گئی مرا گھر کچھ نہین ہے دور
خاصہ تناول آن کے اس جا کرین حضور
ہم لوگ مشت خاک ہین حضرت خدا کے نور
ہوگا یہ کو وہ آپ کے آنے سے رشک طور
کہنا حضور راہ ہدایت کی شمع ہین
پروانے یان سحر سے زیارت کو جمع ہین

عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے مین کچھ اگر
آنے مین کیون حرم کے ہوئی دیر اسقدر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہے یا شاہ بحر و بر
گرد وار کھی ہین مین نے قناتین اِدھر اُدھر
محمل مین گھٹتی ہووینگی زہرا کی پیاریان
عباسؑ لے کے آئین زنانی سواریان

رزمیہ

رزمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے، لیکن وسعت اور اہمیت کے لحاظ سے اسکے لئے بھی جداگانہ عنوان درکار ہے

اُردو بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی، عربی مین مثنوی سرے سے مفقود ہے، اور مسلسل واقعات مثنوی کے سوا، اور کسی صنف مین ادا ہی نہین ہو سکتے، شعراے جاہلیت لڑائی کے جستہ جستہ واقعات قصائد مین ادا کرلیا کرتے تھے، لیکن اس تمام شاعری مین کوئی مسلسل رزمیہ نظم ۵ شعرون کی بھی نہین مل سکتی۔

فارسی مین شاہنامہ اور سکندرنامہ کو الگ کرلیا جائے، تو کچھ باقی نہین رہتا، لیکن ایک شاہنامہ ہزار کتابون پر بھاری ہے، اس لئے فارسی شاعری کا رتبہ اس حیثیت مین عربی سے بڑھا رہا۔ اور اس کو خود زبانداناں عرب نے تسلیم کیا، چنانچہ ابن الاثیر نے مثل السائر مین صاف لکھدیا کہ عربی زبان باوجود اسقدر وسعت اور مایہ داری کے شاہنامہ کی نظیر نہین پیش کرسکتی۔

اُردو میں سے دے کر، میر تقی ہوس کے چند اشعار ہین، جو نوفل اور لیلیٰ کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین،

اس کا نمونہ یہ ہے ؎

شانون سے گذر کے رُمح چالاک | تھے ہوش ربائے مار ضحاک

مرثیہ مین میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی، لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہونچایا اسکے لحاظ سے اُردو شاعری گو فارسی کی برابری کا دعوی نہین کر سکتی لیکن عربی سے کسی طرح پیچھے نہین ۔

رزمیہ شاعری کا کمال امور ذیل پر موقوف ہے سب سے پہلے لڑائی کی طیاری معرکہ کا زور شور، تلاطم، ہنگامہ خیزی، ہل چل، شور و غل، نقارون کی گونج، ٹاپون کی آواز، ہتیارون کی جھنکار، تلوارون کی چمک دمک، نیزون کی لچک، کمانون کا کڑکنا، نقیبون کا گرجنا، ان چیزون کا اس طرح بیان کیا جائے کہ آنکھون کے سامنے معرکۂ جنگ کا سمان چھا جائے، پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا، مبارز طلب ہونا، باہم معرکہ آرائی کرنا، لڑائی کے داؤن پیچ دکھانا، ان سب کا بیان کیا جائے اسکے ساتھ اسلحۂ جنگ اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جائے پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جائے کہ دل دہل جائین، یا طبیعتون پر اداسی اور غم کا عالم چھا جائے ۔

فردوسی کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ معرکۂ جنگ کا سمان اس طرح کھینچتا ہے ؎

جہان لرز لرزان شد و دشت و کوہ | زمین شد ز نعل ستوران ستوہ
(کھوڑے) (عاجز)

برآمد ز ہر سو ز لشکر خروش | ہمی پیل را زان بدرید گوش

ز بس نیزہ و گرز و گوپال و تیغ | تو گفتی ہمہ ژالہ بارد ز میغ

بلند آسمان چون زمین شد ز خاک | ز ہر سو ہمی بر شدہ چاک چاک
(دل)

درخشیدن تیغہا سے بنفش | ق | ازان سایۂ کاویانی درفش
(علم)

تو گفتی کہ اندر شب تیرہ چہر — ستارہ ہمی بر فشاند سپہر
سیہ شد زگرد سپہ آفتاب — ز پیکان پولاد و پرّ عقاب
دلِ کوہ گفتی بدرّد ہمی — زمین با سواران بپرّد ہمی
تو گفتی کہ ابرے برآمد سیاہ — بباریدخون اندران رزمگاہ
زگردِ سپہ روشنائی نماند — زخورشید و شب را جدائی نماند
زجوش سواران و زخم تبر — دگر کوہِ خارا برآورد سر
زمین شد زنعل ستوران ستوہ — ہمان کوہ دریا شد و دشت کوہ
زبس نعرۂ و نالۂ کرنائے — ہمی آسمان اندر آمد ز جائے
سنانہائے رخشان و تیغ سران — درفش از بر و زیر گرز گران
بجوشید دشت و بجنبید کوہ — ز بانگ سواران ہرد و گروہ
ز آہن زمین بود و از گرز میغ — ستارہ سنان بود و خورشید تیغ
زمین لالہ گون شد ہوا نیلگون — برآمد ہمی موج دریائے خون

اسکے مقابلہ مین میرانیس کا رزمیہ دیکھو ؎

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک — اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک — قرنا پھُنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک
شورِ دُہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑون سے گونجتا تھا وہ سب وادیِ نبرد — گردون مین مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تھا چرخِ چارمین پہ رُخِ آفتاب زرد — ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد

گرمی ہجوم فوج سے وہ چند ہوگئی
خاک اس قدر اُڑی کہ ہوا بند ہوگئی

کانپے طبق زمین کے ہلا چرخ لاجورد
اُٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ میں گرد
مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد

گرمی سے رن کے ہوش اُڑے وحش و طیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در
جنّات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
دنیا میں خاک اُڑتی ہے اب جائیں ہم کدھر

اندھیر ہے اُٹھی برکت اب جہان سے
لوٹ گیا زمین کا طبق آسمان سے

تھرّا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمین بھی زرد
ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادیِ نبرد
خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا میں گرد

اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر میں
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیط سپہر میں

فوج کی طیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
خنجر وہ جنکی آب میں تھی تلخی اجل
تھے برچھیوں کی صورت مقراض کھل کھل
وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل

دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش
کر ہوگئے تھے شور سے کرّوبیوں کے گوش

تھرائی یون زمین کہ اُڑے آسمان کے ہوش نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش

ڈھالین جھکین یون سرون پہ سواران شوم کے
صحرا مین جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزون ہے کثرتِ افواجِ نابکار نیزہ بہ نیزہ تیغ بہ ہے تیغ آبدار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثل کارزار ہر صف مین ہے سپر بہ سپر مثل لالہ زار

پیکان بہم ہین جیسے ہون گل بے کھلے ہوے
گوشون سے ہین کمانون کے گوشے ملے ہوئے

دریا کی طرح لشکر کین مارتا ہے جوش نیزے ہلاتے ہین جوانان درع پوش
ہل من مبارز کا ہر اک صف مین ہے خروش چلّے کھچے ہوے ہین کمانون کے تا بگوش
ہر صف مین برچھیان بھی ہزارون لچکتی ہین نوکین وہ تیز ہین کہ دلون مین کھٹکتی ہین
نیزے تُلے ہوے ہین سنانین چمکتی ہین ترکش کھُلے ہوے ہین کمانین کڑکتی ہین

سنگین دلون نے ہاتھون مین تیر اُٹھائے ہین
تیغون کے ساتھ گرز گران سر اُٹھائے ہین

سپاہیون کی آمادگی جنگ

تنا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی ولہ مُنہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو مین داب کے ولہ غصہ سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی ولہ پٹری ہر اک سوار کے گھوڑے پہ جم گئی

حملہ کا زور شور اور فوجون کی ہل چل

نکلی جو رن مین تیغ حسینیؑ غلاف سے آنے لگے شرر دم خارا شگاف سے

بجلی بڑھی چمک کے جو دشت مصاف سے
صاف آئی الامان کی صدا کوہ قاف سے
طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال مین
سکان غرب و شرق تھے بیم زوال مین
مضطر تھے شش جہت کے مکین ایک حال مین
غل تھا کہ گھر گئے غضب ذو الجلال مین
شیر کا غضب نمونہ قہر الٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

جنگل مین تھی علم جو وہ تیغ شرر فشان
تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان
غار اژدہون سے چھٹ گئے شیرون نے نیستان
برپا تھا بر و بحر مین اک شور الامان
مانند موج مچھلیون مین اضطراب تھا
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

اٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور
ٹرسے دہل کے چونک پڑے سب میان گور
چلائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور
ہے بازوے حسینؑ مین دست خدا کا زور
الٹے ہین مثل شیر خدا آستین کو
اے کردگار عرش بچالے زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر
تھین موج کی طرح سب ادھر کی صفین ادھر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر
فوجین فقط نہ بھاگی تھین منہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارہ کو چھوڑ کے

تھا شش جہت مین غل کہ یہ ہر روز انقلاب
الٹے گا اس زمین کا ورق ابن بو تراب

اس شیر پر نہو گی کوئی فوج فتحیاب
بس اب بنائے عالم امکان ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوِ شاہ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ملتی تھی جائے امن نہ زیر فلک کہین
غل تھا کہ ہل نہ جائے سما سے سمک کہین
جنات بے حواس کہین تھے ملک کہین
سایہ کہین تھا تیغ کہین تھی چمک کہین
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھین تین بجلیان اک ذوالفقار سے

پریون سے قاف چھوٹ گیا او جنون سے گھر
شیرون سے دشت گرگ سے بن اژدرون سے در
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر
اُڑ کر گرے جزیرون مین جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرادیے پر کانپ کانپ کے

فوجون کی ابتری اور ہل چل

گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل اِدھر اُدھر
سمٹے ہوئے تھے ڈھالون کے بادل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل اِدھر اُدھر
بھاگڑ تھی قلب فوج مین ہل چل اِدھر اُدھر
ہر جا تنون کے ڈھیر سرون سے بلند تھے
بھاگین کہان گریز کے کوچے تو بند تھے

تیغین سپر کے ساتھ کٹین خود سر کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ
اس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
جانین روانہ ہو گئین قالب کو چھوڑ کر

سرہنگ شام ٹھوکرین کھا کھا کے مرگئے
جو بچ گئے ادھر سے اُدھر جا کے مرگئے
کتنے جوان سمون کے تلے آ کے مرگئے
پس پس کے سرمہ ہو گئے ٹکرا کے مرگئے
ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹون نے پانون باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

تھا الامان کا شور پریشان تھے اہل شہر
تیغون کے نیچے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
اٹھے علم گرتے تھے جھک جھک کے خاک پر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیون نے سر
دانتون مین حسن ہراس سے تھے ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

بے رخ کمانین تیرون سے چلّے کمان سے دور
مرغان تیر تھے ہوے آشیان سے دور
برچھے سے پھل گرے ہوے نیزے سنان سے دور
ہیرون سے عقل دور تہور جوان سے دور
تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

درپے تھی سرکشون کی جو وہ تیغ جان ستان
گوشون سے نکلی بلند صدائے امان امان
ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کمان
گردن سے سر رگون سے لہو اور تنون سے جان
یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن مین کہین نشان قدر انداز کا نہ تھا

ملتا نہ تھا صفون مین علم کا نشان کہین
چلّے کہین تھے شست کہین تھی کمان کہین
نیزے کہین تھے ڈانڈ کہین تھی سنان کہین
جمدھر کہین کمند کہین برچھیان کہین
اک ایک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالون کے پھولون سے باغ تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اُسکی چمک دمک | کانپی کبھی زمین کبھی تھرا گئے فلک
شعلہ مین یہ چمک تھی نہ بجلی مین یہ لپک | ہر ضرب مین سما سے تلاطم تھا تا سمک

گو ذہن مین حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاوِ زمین سمٹتی تھی گھٹنون کو ٹیک کے

ڈر ڈر کے پچھلے پأون سپاہ لعین ہٹی | یہ صف سوے یسار وہ سوے یمین ہٹی
سہمے جبال ہر کہین سے کمین ہٹی | دہشت سے آسمان ہوا اونچا۔ زمین ہٹی

بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتی گردون پہ چڑھ گیا

نعرہ جدا، صداے تکبیر و بدہ جدا | گوشے کمان سے دور تھے گوشون سے زہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے، زرہ جدا | نیزون کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا

اللہ رے فرق، گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتون کا ذکر کیا ہے کہ تیغون مین دم نہ تھے

مغفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس | بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ، نہ دستہ تبر کے پاس | کڑیان زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس

نیزے نہ تھے سنان پہ، نہ پرچم نشان پر
پیکان نہ تیر پر تھا، نہ چلہ کمان پر

معرکہ آرائی اور فنون جنگ کا اظہار

قدیم زمانہ مین جنگ کا دستور تھا کہ عام لڑائی سے پہلے دونون طرف سے پہلے ایک ایک شخص میدان مین نکلکر حریف سے معرکہ آرا ہوتا تھا، اس بنا پر تمام مرثیہ گویون نے اس قسم کی معرکہ آرائیان بیان کی ہین۔ لیکن مرزا دبیر وغیرہ یہ واقعہ اس طرح لکھتے ہین کہ یہ نہین اندازہ ہوتا کہ حریفون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے

بخلاف اسکے میر انیس اس کو اس طرح ادا کرتے ہین کہ گویا فن جنگ کا بڑا ماہر لڑائی کے تمام داؤن پیچ بتا رہا ہے۔ چونکہ عرب مین سب سے پہلے لڑائی کی ابتدا رجز سے ہوتی تھی، اس لئے پہلے ہم رجز کا انداز دکھاتے ہین۔

رجز عرب مین سب سے پہلے حریف میدان مین نکل کر رجز پڑھتا تھا، یعنی اپنی شجاعت اور دلیری کا خود اظہار کرتا تھا، اس بنا پر میر انیس نے جا بجا رجز لکھا ہے، چونکہ امام حسین علیہ السلام کی زبان سے پہلوانی کا اظہار ان کے رتبہ کے شایان نہ تھا، اس لئے اکثر رجزون مین پہلوانی اور بہادری کے بجائے فضیلت اور شرف کا اظہار کیا ہے، مثلاً

ع

مین ہون سردار شباب چمن خلد برین
مین ہون انگشتر پیغمبر خاتم کا نگین
مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمین

ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفل عالم امکان مین اندھیرا ہو جائے

پھر یہ بیان کر کے کہ جناب رسول اللہ صلعم اور جناب امیر و حمزہ سید الشہدا کے تمام تبرکات مجھی کو وراثت مین ملے ہین، فرماتے ہین ع

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار
یہ زرہ کسکی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کسکا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار
کسکا رہوار ہے یہ آج مین جسپر ہون سوار

کس کا یہ خود ہے، یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے، یہ سپر کسکی ہے

لیکن عام رجز کے قاعدہ کے لحاظ سے بعض بعض جگہ شجاعت اور زور و قوت کا بھی اظہار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین ع

بخشا ہے مجھکو حق نے شہ لافتی کا زور
اس دست مرتعش مین ہے دستِ خدا کا زور
ہے انگلیون سے بند مین خیبر کشا کا زور
پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور
الٹون فلک کو یون جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا

آگے بڑھون جو تیر کو چلہ مین جوڑ کے
بھاگین خطا شعار کمانون کو چھوڑ کے
بیکار کردون شمشیر کا پنجہ مروڑ کے
پٹکون زمین پہ در خیبر کو توڑ کے
الٹون طبق زمین کے یون جھٹک کے زین سے
جس طرح جھاڑ دیتے ہین گرد آستین سے

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کرون
آئے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کرون
بے جبرئیلؑ کار قضا و قدر کرون
انگلی کے اک اشارے مین شق القمر کرون
طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآبؐ کی
رکھدون زمین پہ چھیر کے ڈھال آفتاب کی

یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر
جب ہاتھ اُٹھائے برق گری ہر زمین پر
خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر
کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

گھوڑے پر سوار ہونا

لو اب سوار ہوتے ہین عباسؑ نامور
لو دامنِ قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو ہٹ کے ہاتھ آپ نے رکھا ایال پر
لو آفتاب خانۂ زین مین ہے جلوہ گر
پچھالیا سمند کو زانو مین داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ

فردوسی کا یہ بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے کہ وہ

لڑائی کے تمام جزئیات داؤں پیچ، اور فنون جنگ کا نقشہ کھینچتا ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ سرسری اور معمولی باتون کے سوا، لڑائی کے ہر قسم کے تمام کرتب نہین دکھاتا، سب سے بڑا سین جو اُس نے دکھایا ہے وہ رستم اور اشکبوس کا معرکہ ہے اس موقع کے چند اشعار یہ ہین ؎

خدنگی برآورد پیکان چو آب	نہادہ برو چار پر عقاب
بمالید چاچی کمان را بدست	بہ چرم گوزن اندر آمد شکست
ستون کرد چپ را و خم کرد راست	خروش از خم چرخ چاچی بخاست
چو زد تیر بر سینۂ اشکبوس	سپہر آن زمان دست او داد بوس
چو پیکان ببوسید انگشت اوے	گذر کرد از مہرۂ پشت اوے

اِن اشعار مین تیراندازی کا وہی معمولی طریقہ ادا کیا ہے، البتہ نہایت شاندار اور پُر زور الفاظ مین ادا کیا ہے۔ لیکن میرانیس لڑائی کے ہر قسم کے کرتب اور ہنر اس تفصیل سے بیان کرتے ہین کہ عربی اور فارسی مین اسکی نظیر نہین مل سکتی ملاحظہ ہو ؎

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکان	چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
اک بندھ باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہان	ڈانڈ آ لی ڈانڈ پر تو سنان سے لڑی سنان

بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر	قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا اچا کے سر
دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر	جھٹکا دیا کہ جُھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب　　قبضہ مین لی کمان کیانی بصد غضب
چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب　　تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا ؛
کانپے یہ دونون ہات کہ چلہ اُتر گیا ؛

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد　　تھا حرب وضرب مین وہ شقی بھی بلا سے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانی حسد　　کہتا تھا بازوے شہ دین، یا علیؑ مدد
یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرف سخت زبان پر وہ بد خصال　　جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کا لال ؛
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال　　اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اسکی سپر سے ڈھال
ادجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانون رکھدیے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا　　ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا　　سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا بھی اس طرف کو، اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہات، کہ دو ہو کے گر پڑا

ایک اور موقع، سے

نیزے ہلے، وہ چل گئین چوٹین کہ الامان　　ہر طعن قہر کی تھی، قیامت کی ہر تکان
چنگاریان اُڑین جو سنان سے لڑی سنان　　دو اژدہے گتھے تھے، نکالے ہوئے زبان

پھیلے شرر، پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
شمعوں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں

ان کا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند
بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
کیا د نیزہ بازی میں تھا بار بار بند
چوٹوں سے نیلگوں تھے جفا جو کے چار بند

خالی گئی نہ فرق کی نہ دستِ دغا کی چوٹ
کھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکل کشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سنان
گھوڑا اڑا کے ہات کو اکبر نے دی کمان
اللہ رے زور اٹھ گیا گھوڑے سے پہلوان
دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہاں

نیزے کے ساتھ شور اٹھا اس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ
بدلا تھا اس نے ٹھاٹ کہ چمکی ادھر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ

ولہ

چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال
شانے پہ آئی سینہ پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بچا کے کاٹ گئی وہ زرہ کا جال
چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بدخصال

روکے کسے؟ جواب کسے دے؟ کدھر پھرے؟
بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

چمکی جو تیغ ڈھال وہ لایا قریبِ سر
اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
مغفر سے سر میں تھی سر گردن سے صدر پر
سینہ سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر

سب نشۂ غرورِ جوانی اتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اتر گیا

ایک اور موقع سے

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤ سر
آیا اُدھر سے گرز اِدھر سے چلا تبر
اکبرؑ نے دوش پاک سے لی ہاتھ مین سپر
دو ہو گیا عمود مثال خیار تر
گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمین پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

بھالا سنبھالا دشمنِ ایمان نے مل کے ہاتھ
پہلے ہی ہک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ
نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھل کے ہاتھ
بڑھتا نہ تھا جو پانون تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور مین گروہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ اُن کو یاد تھا

رکھکر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
تھرا کے خود امان نے صدا دی کہ الحذر
یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے امان نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سنان کی زبان نہ تھی

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجلا کے پھر کمند
کھولے تمام نیزۂ بیدادگر کے بند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے مین کٹ گئے

ہٹ کر خطا شعار نے جوڑا کمان مین تیر
سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر
تیر افگنی مین شہرۂ آفاق تھا شریر
چلّہ کٹا کمان کا زہے تیغ بے نظیر

قربان زور ضربت نصرت نشان سے
کھل کر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کمان — نیزہ اٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہاں
سپر ادھر اٹھی تھی کہ جھکی ادھر سنان — بھالے کی نوک جھوک نئی تھی نئی تکان

سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر
ناوک زمین پہ تھا تو کمان آسمان پر

ایک اور موقع سے

پیہم ہوئیں تکان پہ تکانیں جو یکدگر — ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی ادھر
کس نوک جھوک سے وہیں نیزے کو پھیر کر — فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ہنر

ظالم پہ آسمان سے بلا ناگہاں گری
دو تین نیزہ اڑ کے زمین پر سنان گری

چلہ میں رکھ کے تیر بڑھے قبلۂ امم — اک ہات راست کرکے کیا دوسرے کو خم
کچھ کہہ کے گوش شہ میں چلا تیر تیز دم — آواز دی کمان نے زہے شاہ باکرم

چلہ تو شست شاہ زمن سے نکل گیا
واں تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

گھوڑا فردوسی کے ہاں گھوڑے کی تعریف میں جستہ جستہ دو چار شعر پائے جاتے ہیں، لیکن متاخرین نے اس مضمون کو بہت وسعت دی، اور مبالغہ کو حد سے بڑھا دیا، سب سے پہلے عبدالواسع جبلی نے ایک قصیدہ کی تشبیب گھوڑے کی مدح سے کی ہے

اے بہ بالا ہمچو آتش وے بسوے پستی چو آب — خاک وصفی در درنگ و باد رنگی در شتاب

گر کنی پویہ نباشد ابر با تو ہم عنان　　گر بری حملہ نباشد برق با تو ہم رکاب

مبالغہ ملاحظہ ہو

از جبل پنہان شوی در سایہ پر پشہ　　در بہ ہنر جولان کنی در گوشہ چشم ذباب

"ایک شعر کے بعد لکھتے ہین کہ جب تو بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے، یا پستی سے بلندی پر چڑھتا ہے تو

نسبتی داری ہمانا با قضاے آسمان　　قربتی داری ہمانا با دعاے مستجاب

عرفی نے بھی ایک قصیدہ گھوڑے کی مدح مین لکھا

اے طعن فلک نوشتہ بر سُم　　وے زلف صبا بریدہ از دُم
بر غنچہ سبک روی بدانسان　　کش خندہ نزاید از تبسم
تازی بہ لب فسانہ پرداز　　زان گونہ کہ نشکنی تکلم

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے

آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی　　از ازل سوے ابد و ز ابد آید بہ ازل
قطرہ ہا کش دم رفتن چکد از پیشانی　　شبنم آسایش نشنید گہ رجعت بہ کفل
گر سر خصم تو بندند بہ پالیش دم نزع　　تا قیامت بہ گلویش نرسد دست اجل

زلالی لکھتا ہے

ز جستن جستن او سایہ در دشت　　چو زاغ آشیان گم کردہ می گشت

یعنی گھوڑا اس طرح جنگل مین اُڑتا پھرتا تھا کہ خود اس کا سایہ اس کو یون ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس طرح کوا اپنے گھونسلے کو ڈھونڈھتا پھرے۔

اُردو مین مرزا سودا نے کہا

رو برو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو　　پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک

اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر	عکس بھی آینہ سے ہونے نہ پائے منفک

مرزا دبیر صاحب فرماتے ہین۔

ع سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا ؎

ان تمام اشعار کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فارسی اور اُردو مین جو کچھ گھوڑے کی مدح مین لکھا گیا، وہ صرف ناممکنات کے افسانے تھے، کسی نے یہ نہین کیا کہ گھوڑے کا اصلی خدوخال، ڈیل ڈول، چہرہ مہرہ، چیل پھر، آؤ جاؤ کا نقشہ دکھاتا۔ میر انیس صاحب بھی اگرچہ مذاق عام کی پیروی سے اکثر بہکے ہین، چنانچہ فرماتے ہین۔

ع آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو ؎

تنگی سے آسمان کی خفا یہ سمند ہے	کیونکر اُڑے، پری ہو کہ شیشہ مین بند ہے

تاہم ان کا اصلی جوہر بھی ہر جگہ نمایان ہے، ملاحظہ ہو ؎

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون	گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہووے سرنگون
رفتار مین وہ سحر کہ پریون کو ہو جنون	غنچے بھی کچھ بڑے ہین کنوتی کو کیا کہون

قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
پیکان دو چڑھے ہوے ہین ایک تیر پر

نازک مزاج، وخوش قد وطناز و سربلند	وہ پیش وپس، وہ سم، وہ کنوتی، وہ جوڑ بند

ولہ

کوتاہ، و گرد، وصاف، کنوتی، کمر کفل	کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل

ولہ

وہ کنوتی، وہ ابلی ہوئی انکھڑیان وہ یال	گویا کھلے تھے حور کے گیسو پری کے بال

وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال | ولہ | دم میں کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصرِ آسمان پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر حسد اگر اُسے دیتا براق تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند | سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اُسکے جوڑ بند
سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند | نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند

پُتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مُڑ گیا
اُترا بُراق بن کے پری ہو کے اُڑ گیا

جرات میں رشک شیر، تو ہیکل میں پیلتن، | پوئی کے وقت کبک دری جست میں ہرن،
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابر قطرہ زن | بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

افزون ہے زلف حور سے خوشبو ایال کی | دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
پریان خرام ناز میں شاگرد چال کی | غصہ میں جست شیر کی، شوخی غزال کی

وہ حسن تن پہ ساز کا۔ جوبن یراق کا
دلدل کے ہات پاؤن تو چہرہ براق کا

غصے میں انکھڑیون کے اُبلنے کو دیکھئے | جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے | تھم کر کنوتیون کے بدلنے کو دیکھئے

وہ تھوتنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیان خجل ہون ہرن جس کو دیکھ کر

ع وہ شوخیان فرس کی، وہ سرعت، وہ آؤ جاؤ،

گھوڑے کی غیظ کی تصویر

مانند شیر غیظ مین آیا وہ پیل تن — آنکھین اُبل پڑین صفتِ آہوے ختن
ماری زمین پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن — غل پڑ گیا کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
مینخین زمین کی اسکی تگاپو سے ہل گئین
دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین

گھوڑے کی تیزروی اور چل پھر

سمٹا، جما، اُڑا، ادھر آیا اُدھر گیا — چمکا، پھرا، جمال دکھایا، ٹھہر گیا
تیرون سے اُڑ کے برچھیون مین بیخطر گیا — برہم کیا صفون کو، پرے سے گذر گیا
گھوڑون کا تن بھی ٹاپ سے اسکے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا صفون مین فرس جھوم جھوم کے — سرعت بلائین لیتی تھی مُنہ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہِ شام و روم کے — غل تھا یہ غول مین پسر سعدِ شوم کے
رخش ایسا روم و رے مین نہین شام مین نہین
یہ شوخیان تو ابلق ایام مین نہین

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال — کبک دری خجل، دل طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی مین قدم کے تلے نہال — آگے وہ قدم مین بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا — آیا عرق تو ابر گہربار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبد دوار بن گیا — نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا

حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا مین پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

تلوار

مرثیہ گویون کا سب سے بڑا موضوع شاعری یہی ہے اور مرزا دبیر صاحب تو اس عالم مین لامکان تک پہنچ جاتے ہین لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سب کچھ کہتے ہین اور غور سے دیکھئے تو تلوار کے متعلق کچھ نہین کہتے چنانچہ فرماتے ہین -

مرزا دبیر

تذکرۂ چشم نیام اوج پر آیا ؛		اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظلمت آیا	وله	یا دوڑ کے ظلمت کے گلے سے خضر آیا
ظلمات مین یہ فتح پہ قبضے کئے پھری	وله	یونس کو جیسے بطن مین ماہی لئے پھری
مثل ہوا سرون مین سمائی چلی گئی	وله	بو کی طرح دماغون مین آئی چلی گئی
ذات اک طرف مٹا دیا اسنے صفات کو	وله	کیسی زبان زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو
کاف شگاف بن کے درون جگر گئی	وله	مانند میم مرگ، میان کمر گئی
لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی	وله	مانند پیش ہر جز و کل سے گذر گئی
تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی	وله	جل بھن کے آب تیغونکی رن مین دھوان ہوئی
گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آب حسام فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام	وله	بنا خزانۂ قارون خزانۂ حمام ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد و فور گرا ؛
کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

خود انصاف کرو یہ تلوار کی تعریف ہے یا ہوائی طلسم ہے -

میر انیس صاحب بھی اگرچہ سامعین کی بدمذاقی کے اثر سے کہین کہین بے راہ

نکل جاتے ہین تاہم واقعیت اور صلیت کا جوہر ہر جگہ نمایان رہتا ہے سب سے پہلے دیکھو تلوار کا سراپا کس طرح کھینچتے ہین ؎

پشہ وہ اس کا اور وہ باریکی شمشیر — کس بل مین ہمثال اصالت مین بے نظیر

ولہ

دلسوز، شعلہ خو، شرر انداز و جانگداز — لشکر کش و شکست رسان ذ ظفر نواز
خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز — حاضر جواب، تیز طبیعت زبان دراز

کج اس کی ہے پسندِ جہان گو سجی نہ ہو
معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو

ذوالفقار سے تشبیہ ؎

جوہر وہی برش کا وہی طور، خم وہی — تیزی وہی غضب کی، وہی گھاٹ دم وہی
چلنا اسی طرح کا، چمک وہی دمبدم وہی — رنگت زمردی وہی، پانی مین سم وہی

تلوار کا کاٹ اور اسکی تعریف

چمکی گری، اٹھی، ادھر آئی ادھر گئی — خالی کئے پرے، تو صفین خون مین بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی — ندی غضب کی بھتی کہ چڑھی اور اتر گئی

اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہر صمد نہین
ایسا تو رود نیل مین بھی جذر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری — کٹ کر کسی کی تیغ، کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ، کبھی فرق پر گری — سر کاٹ کر ادھر سے جو اٹھی ادھر گری

زرہین تنون مین مثلِ کفن چاک ہو گئین
اک آن مین صفین کی صفین خاک ہو گئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یا یہ خدا کا قہر — بہتی ہے جسکی آگ سے کوسون لہو کی نہر

ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکے نہین ہے لہر — اُتری گلے سے، چڑھ گیا سارے بدن مین زہر
زخمون سے جسم، ڈر سے کلیجے فگار ہین
جوہر نہین ہین تیغ مین، دندانِ مار ہین

یکتا برش مین جوہرِ ذاتی مین فرد ہین — چمکی اُحد مین، خیبر و خندق مین بدر مین
تیزی وہی تھی سان کی اس آشوب غدر مین — بڑھ کر سپر سے سر مین گئی، سر سے صدر مین
کھچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی، یہ گری — برچھی سے اُڑ گئی وہ سنان، یہ گرہ گری
ترکش کٹا، کمانِ کیانی سے زہ گری — یہ سر اُڑا، وہ خود اڑا، یہ زرہ گری
آتی ہے لشکرون پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برقِ قہرِ الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیون والون کے ہر طرف — ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بھالون کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف — پر کالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالون کے ہر طرف
خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی ؎
انبار تھین کٹی ہوئی شاخین کمان کی

کیا کیا چمک کھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے — تلنی تھی بس تنون سے زبین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پئے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے — دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہات مین اُڑا کے کلائی نکل گئی ؎ — کوندی، گری، زمین مین سمائی نکل گئی

کاٹی زرہ دکھاکے صفائی نکل گئی   مچھلی تھی اُرک کر دام مین آئی نکل گئی
چار آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر   پہنچون سے ہات شانون سے بازو تنون سے سر
قبضہ سے تیغ، بر سے زرہ، ہات سے سپر   برچھی سے پھل کمان سے زہ، زین سے تبر
ترکش کہین پڑے تھے نشان زری کہین
پیکان کہین تھی شست کہین تھی سری کہین

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر   اُڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر
چھینتی تھین بھاگی جاتی تھین گرتے تھے خاک پر   قبضون سے تیغین جسم سے زرہین تنون سے سر
سپے تھے قدم، گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی سر اعدا سپند تھے

چھپتے تھے یون وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک   بھاگے شعاع مہر سے جس طرح شپرک
اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک ؛   چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع مین
سجدے مین تھی زمین تو فلک تھا رکوع مین

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون سر کے اوج سے   پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
چمکی جو برق سی تو نکل آئی تنگ سے   رکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپولا حباب کا

ہم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب   آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب ؛

سیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اُسکی تاب
تیزی زبان مین وہ کہ فرشتون کو دے جواب
جوہر سے اُس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزان بھی بہار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی
پانی نے اُسکے آگ لگا دی زمانے مین
اِک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

نیزے کے بند بند قلم برچھیان دو نیم
مثل قلم زبانِ درازِ سنان دو نیم
چار آئنہ کٹے ہوے گرز گران دو نیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلوان دو نیم
سالم تھا پیشِ آئنہ تیغ جو نہ تھا
لشکر مین کونسا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

وہ تیغ جب بڑھی صف کفار ہٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالونکی بدلی سمٹ گئی
دم بھر مین یون صفون کو الٹ کر پلٹ گئی
رن کی زمین لہو کے دڑیڑون سے کٹ گئی
دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

اس موقع پر شاید تمھارے ذہن مین یہ خیال آئے کہ میر انیس کی رزمیہ مین گو الفاظ کی شکوہ و شان کی کچھ انتہا نہین لیکن اصلیت اور واقعیت سے یہ مراحل دور ہین کربلا کا واقعہ نتایج کے لحاظ سے بے شبہ ایک اہم واقعہ ہے لیکن معرکہ آرائی کے لحاظ سے اسکی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سر و سامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا، جو دفعتہ ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے مین لڑائی کا فیصلہ ہوگیا

ایسے واقعہ کے متعلق یہ کہنا کہ زمین تھرا گئی، آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے، دریا اُبل پڑے، فرشتے آسمانون مین چھپتے پھرتے تھے وغیرہ وغیرہ، واقعیت سے کسقدر دور ہے -

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری مین اصلیت اور واقعیت کا لحاظ تاریخی حیثیت سے نہین کیا جاتا بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر کو ان واقعات کا یقین ہے یا نہین ؟ اگر وہ ان باتون پر یقین رکھتا ہے، اُن کے اثر سے لبریز ہے، اور جسقدر اُس کے دل پر اثر ہے اُسی جوش کے ساتھ اُن کا اظہار بھی کرتا ہے تو اُسکی شاعری بالکل اصلی ہے - فرض کرو کہ شاہنامہ کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جائین تو اس سے فردوسی کے کمال شاعری مین کیا فرق آئے گا -؟

شاعر کو قطعی یقین ہے کہ امام حسین علیہ السلام تمام عالم کے کاروبار کے مالک ہین، جن و انس، شجر حجر، سب اُن کے محکوم ہین، اُن کا غیظ مین آنا، کردگار عالم کا غیظ مین آنا ہے، اس صورت مین اگر اُن کی حملہ آوری سے زمین و آسمان ہل جائین اور دنیا متزلزل ہو جائے تو استعجاب کی کیا بات ہے، یہ ضرور ہے کہ اس حالت مین بھی وہی واقعات بیان کرنے چاہیین جن سے طبیعت پر واقعی اثر ہو، صرف موہوم خیال بندی اور لفاظی نہ ہو، جیسا مرزا دبیر صاحب کا انداز ہے -

یہ بات بھی بظاہر کھٹکتی ہے کہ رزم کے بیان مین عشقیہ الفاظ استعمال کرنا، بلاغت کے خلاف ہے، اور میر انیس اکثر تلوار کی تعریف مین اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہین، مثلاً ؎

کس تکلف سے وہ لیلائے ظفر راہ چلی،	گہ بڑھی، گاہ رُکی، گاہ تھمی، گاہ چلی،
کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ رو جُدا	جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جُدا

سچ اسکی ہے پسند جہان گو سچی نہ ہو،	معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض کی بات نہین، بلکہ میر انیس کے محاسن شاعری مین داخل ہے، علامہ ثعلبی نے تیمۃ الدہر مین جہان متبنی کے محاسن گنائے ہین وہان لکھتے ہین، ؎

منہا استعمال الفاظ الغزل والنسیب فی اوصاف الحرب وھو ایضا مما لم یسبق الیہ وتفرد بہ واظہر فیہ الحذق	متبنی کے محاسن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی کے بیان مین غزل کے الفاظ استعمال کرتا ہے، اور یہ بھی اُس کی اُن خصوصیات مین ہے جن کی پہلے کوئی نظیر نہین ملتی، اور جن مین وہ متفرد ہے۔

اس کے بعد متبنی کے بہت سے اشعار نقل کئے ہین، جن مین سے ایک یہ ہے ؎

قد صبغت خدہا الدماء کما یصبغ خد الخریدۃ الخجل	زمین کے چہرہ کو خون نے اس طرح رنگین کر دیا ہے، جس طرح شرم کی حالت مین، معشوق کے چہرہ پر سرخی آجاتی ہے،

لیکن یہ بہت نازک موقع ہے، رزم مین عشقیہ الفاظ اور تشبیہات کا استعمال وہین تک جائز ہے، جہان تک کلام کا اثر نہ جانے پائے اور کلام مین ابتذال نہ آجائے، مرزا دبیر صاحب نے بھی میر انیس کی تقلید کرنی چاہی لیکن کلام کا یہ رنگ ہوگیا ؎

تلوار کی تعریف

جب خون مین بھری فوج کی انبوہ سے نکلی	غل یہ تھا کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی،

سلام

اُردو شاعری کی اصلی بنیاد غزل کی زمین پر قائم ہوئی اور اقسام سخن مین سے اسی کو سب سے زیادہ فروغ ہوا، عام مرثیہ گویون نے اپنے مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے مسدس کا طریقہ اختیار کیا لیکن غزل کی لے اسقدر کانون مین رچ چکی تھی کہ ان لوگون کو بھی اُس انداز مین کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا تھا، اس بنا پر اُنھون نے غزل کی طرز پر سلام ایجاد کیا، سلام کی بحرین وہی غزل کی ہوتی ہین، غزل کی طرح مضمون کے لحاظ سے ہر شعر الگ الگ ہوتا ہے، سلام کی خوبی یہ ہے کہ طرح شگفتہ اور بندش سادہ اور صاف، مضمون درد انگیز اور پرتاثیر ہو، میر انیس کے سلامون مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، نمونہ ملاحظہ ہو

صبر کرتے تھے سلامی! شہ والا کیا کیا
اہل کین دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہین ملتا لیکن
سامنے آنکھون کے لہراتا ہے دریا کیا کیا

سر شبیر سے کہتے تھے یہ رو رو سجادؑ
رنج دیتے ہین مجھے راہ مین اعدا کیا کیا

طوق و زنجیر سنبھالون کہ مہار اونٹون کی
ق کام اتنے ہین گردن مین تن تنہا کیا کیا

رو رو کہتی تھی یہ صغراؑ کہ گئے جا قاصد
تو نے کیا کیا کہا اور شاہ نے پوچھا کیا کیا

دیکھ کر فوج حسینی کو عدو کہتے تھے
ساتھ لائے ہین جوان سید والا کیا کیا

خط لئے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام
دیکھو بیٹا! تمھین صغراؑ نے ہے لکھا کیا کیا

ایضاً

کچھ اور جز زبان نہین اہل سخن کے پاس
کچھ رہ گیا زبان کے سوا ہی دہن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوے شہید
روتے ہوے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس

چلائی بانو دیکھ کے اصغرؑ کو قبر مین
مجھکو بھی گاڑ دے کوئی اُس گلبدن کے پاس

صدمہ سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پانوْن
جس وقت بیڑیان نظر آئین رسن کے پاس

ایضاً

سلامی آنکھ سے رہ رہ کے خون دل ٹپکتا ہے
غمِ سجّاد بیکس دل مین کانٹا سا کھٹکتا ہے

دمِ تحریر یہ گلریزی ہے یا سطرین ہین کاغذ پر
صریر کلک ہے یا باغ مین بلبل چہکتا ہے

پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت
وگرنہ رہبرِ عالم کہین رستہ بھٹکتا ہے

حرم رونے لگے کہا جب آسمان کو دیکھ کر شہؑ نے
علی اکبرؑ اذان دو صبح کا تارا چمکتا ہے

زمینِ کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہین
شہیدونکی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

تنِ رنجور پر ہات اپنا زینبؑ رکھ نہین سکتی
تپِ غم سے بدن سجّادؑ کا ایسا دہکتا ہے

کہا بانوؑ نے شہؑ سے تیر چلتے ہین کلیجہ پر
مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھون سے تکتا ہے

ق

یہ ننھے ننھے دونون ہاتھ بل کھاتے ہین سینہ پر
مسوڑے ہوگئے ہین نیلگون تالو لپکتا ہے

ایضاً

مجرئی جب کہ عیان ماہِ عزا ہوتا ہے
چرخ پر ماتمِ شاہِ شہدا ہوتا ہے

پھیر دین آنکھین جو اصغرؑ نے پکاری بانوؑ
دوڑ رواے بی بیو دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے

دیر بیٹون کو لگی رن مین تو زینبؑ نے کہا
لاشین آتی ہین اگر فضلِ خدا ہوتا ہے

کہتی تھی خلقِ خدا دیکھ کے عابدؑ کو اسیر
کہین بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہے

ایضاً

سدا ہے فکر ترقی بلند بینون کو
ہم آسمان سے لائے ہین ان زمینون کو

یہ جھریان نہین ہاتھون پہ ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینون کو

لگا رہا ہون مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل	اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو
خیالِ خاطر احباب چاہیئے ہر دم	انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینون کو

رباعیات

صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے زیادہ موزون چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سحابی، سلطان ابوسعید ابوالخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، اُنھون نے رباعی کے سوا، تمام عمر مین اور کچھ نہ لکھا،

اُردو شاعری مین چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے، اس لئے رباعیان بہت کم پائی جاتی ہین، سودا نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیان لکھین لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہین،

میر انیس کی رباعیون کا ایک بڑا دفتر ہے، اور ہر رباعی مین کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے، بعض ایسی بھی ہین جن مین صرف مضمون بندی یا کوئی صنعت ہے، چنانچہ ہر قسم کے نمونے ذیل مین درج ہین۔

رباعی

اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے	بے زادِ سفر کوچ کی طیاری ہے
مرمر کے پہنچتے ہین مسافر وان تک	یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے

ایضًا

ہموار ہے گو زمین تجھکو کچھ باک نہین	سرکش ہو اگر تو عقل و ادراک نہین
پاتا نہین تُند خو کدورت کے سوا	دامن مین ہوا کے کچھ بجز خاک نہین

رباعی

راہی طرفِ عالمِ بالا ہون مین
دنیا سے عدم کو جانے والا ہون مین
یا رب ترا نام پاک جپنے کے لئے
گویا اک ہڈیون کا مالا ہون مین

ایضًا

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤن اے قبر
مین نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

یضًا

کٹ جاتے ہین خود رنگ بدلنے والے
کب تھمتے ہین اشک جو ہین ڈھلنے والے
اللہ رے سخن کی تیرے تاثیر انیس
رو دیتے ہین مثل شمع جلنے والے

ایضًا

ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے
ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاج عصا ہوے تو پیری نے کہا
چلیئے اب چوبدار مرگ آیا ہے

ایضًا

نافہم سے کب داد سخن لیتا ہون
دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہون
چھپتی نہین بو سے دوستان یک رنگ
کانٹون کو ہٹا کے پھول چُن لیتا ہون

ایضًا

رتبہ جسے دنیا مین خدا دیتا ہے
وہ دل مین فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہین تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

ایضًا

کیا قدر زمین کی آسمان کے آگے
جھکتے ہین قوی بھی ناتوان کے آگے

نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہین	دندان صفت بستہ ہین زبان کے آگے

رباعی

جس شخص کو عقبےٰ کی طلبگاری ہے	دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
ایک آنکھ مین کس طرح سمائین دونون	غافل! یہ خواب ہے وہ بیداری ہے

دیگر

کس دن فرس خامہ تگ و دو مین نہین	مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو مین نہین
ہر چند کہ ہون خُسروِ اقلیم سخن	پر غیر دوات کچھ قلمرو مین نہین

دیگر

جس جا ذکر حسینؑ ہو جاتا ہے	رونے سے دلون کو چین ہو جاتا ہے
اگر بزم عزاے شہ مین رونا	ہر شخص پہ فرض عین ہو جاتا ہے

دیگر

جو روضہ مین باریاب ہو جاتا ہے	ہر کام مین کامیاب ہو جاتا ہے
جلتا ہے جو شب کو قبر حیدرؑ پہ چراغ	وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

اعتراضات

میرانیس کے کمال کا اگرچہ جس قدر مجھکو اعتراف ہے شاید ہی کسی اور کو ہوگا، تاہم میرا یہ دعوی نہین کہ اُن کا کلام فروگذاشتون اور غلطیون سے پاک ہے۔
ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین، ان مین باوجود دعوی آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رُخ اُس کو دکھائے جائین۔

لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین جس چیز نے اُن کو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے جس کا اثر رگ و پے مین سرایت کر گیا ہے اور عذر کرنے والون کو خود اس کا احساس نہین ہوتا، اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ ان اکابر کی تقلید کرتے ہین اُن مین ہزارون ایسے ہوتے ہین، جن کو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی، اس لیئے وہ اچھی باتون کے ساتھ، اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین، اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اس کا اثر پھیل جاتا ہے -

بہر حال ہماری رائے ہے کہ جس وسعت اور تفصیل کے ساتھ میر انیس کی خوبیان ظاہر کی گئی ہین، اسی طرح نہایت آزادی اور بیباکی کے ساتھ اُن کی ہر قسم کی فروگذاشتین اور غلطیان بھی ظاہر کی جائین -

ایک زمانہ ہوا عبدالغفور خان نسّاخ نے میر انیس کی بہت سی غلطیان ایک رسالہ مین ظاہر کی تھین، چنانچہ شروع کتاب مین اس کا ذکر گذر چکا ہے - پہلے ہم ان اعتراضات کو اجمالاً مع جواب کے نقل کرتے ہین -

۱ - میر صاحب نے جا بجا سینہ - مدینہ - کینہ - قرینہ - کو دانا اور بینا کا قافیہ باندھا ہے مثلاً ؎

حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آئینہ
اسکا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین بینا

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قدما کا طریقہ تھا، اور میر انیس کا ابتدائی کلام قدما کے استعمال کے موافق ہے - اس جواب پر اسقدر اور اضافہ کرنا چاہیئے کہ گو متاخرین نے اس کو ترک کر دیا لیکن کلام کی وسعت کے لیئے یہ سختیان اُٹھا دینی چاہیین، شاعری سے وصل اور ہجر کے سوا، اور بھی کام لینے ہین اور وہ بغیر اس کے نہین ہو سکتا کہ قافیہ

مین وسعت پیدا کی جائے، ورنہ شاید یورپ کی طرح سرے سے قافیہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

۲۔ جن الفاظ مین نون کا اعلان ضرور ہے میر صاحب اکثر جگہ اعلان نہین کرتے مثلاً ؎

عباسؓ سے یہ کہنے لگے شاہِ دوجہان	تم جاکے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان

اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے۔

۳۔ جہان نون کا اعلان جائز نہین وہان اعلان کرتے ہین، مثلاً ؎

لپٹون گلے سے مین پدرِ ناتوان کے	سینے سے تو سرک تو مرے بابا جان کے

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شعر میر صاحب کا ہے ہی نہین، الحاقی ہے۔

لیکن میر صاحب کے ہان کثرت سے اسکی مثالین پائی جاتی ہین اس لیے یا تو میر صاحب کی غلطی تسلیم کرنی چاہیے یا یہ کہنا چاہیئے کہ یہ بھی میر صاحب کی توسیعات شعری مین داخل ہے، ؎

گویا کہ تھا شبیہ علم سربسر نشان	ڈوبا تھا خون سے پنجۂ پرنور اور نشان

اس شعر مین سربسر کا قافیہ اور ہے، اور یہ بالکل غلط ہے۔ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مصرعۂ ثانی اصل مین یون ہے "ڈوبا تھا خون مین پنجۂ پرنور زرفشان"

۵۔ اکثر جگہ شایگان قافیے ہین، چنانچہ نساخ نے بہت سے اس قسم کے شعر نقل کئے ہین، مجیب نے ان تمام شعرون سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یون نہین بلکہ یون ہین، مثلاً اس بند مین ؎

ناگاہ بڑھی فوج، ہوا جنگ کا سامان	اور گھٹنے لگی طاقت جسم شہ مردان
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیرون کا باران	تلوار علم کر کے کہا یا شہ مردان

شہ مردان مکرر آیا ہے، مجیب صاحب کہتے ہین کہ دوسرے مصرع مین شہ مردان کے بجاے شہ ذی شان تھا۔غلط نویسون نے ذی شان کا شہ مردان بنادیا لیکن اس قسم کی تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اگر اس کو وسعت دی جائے تو جہان جس لفظ پر اعتراض ہو نہایت آسانی سے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یون نہین یون تھا۔ اس شعر مین تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے، کیونکہ شہ مردان سے ایک جگہ امام حسینؑ اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہین، اس لئے قافیہ مکرر نہین، لیکن جہان واقعی قافیہ شایگان ہے، وہان بھی تاویل کی ضرورت نہین۔جو اساتذہ کثیر الکلام ہین اور جن کو سیکڑون قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہین، وہ اس قسم کی قیدون کی پابندی نہین کرتے۔

۶۔اکثر جگہ حروف تقطیع مین گرجاتے ہین۔مثلاً

ع رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر،

ع یہ کہہ کے بس عورات نے عریان کئے سر

ع باہین جو گلے مین تھین تو بند دیدۂ خونبار،

ان اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کاتبون کی غلطی ہے، پہلا مصرع یون ہے ع بیوہ ہوئی اک رات کی بیاہی ہوئی دختر، اسی طرح اور مصرعون کو بدلا ہے۔

حرفون کا تقطیع مین گرانا، اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اساتذہ کے ہان کثرت سے اسکی مثالین پائی جاتی ہین ؎

عزت شیرازی

مرا پند خردمندان مجال خود نمی آرد	باین افسانہا مجنون عشق عاقل نمیگردد

تا توانی تختہ بندِ یک مقام عاقل مباش — عاقل

اے رگِ جان بہار این ہمہ بیرحمی چیست | خاکِ از مقدم تو خون شدن عادت دارد — علی

تن گُل عارض گُل بدن گُل چہرہ گُل رخسار گُل — غنی

بدہ ساقی آن آبِ یاقوت را | کہ سازم علاج عقلِ فرتوت را

ان کے سوا اور بہت سی مثالین ہین، جنکو تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کیا گیا۔

۷۔ ناگاہ بجا فوج عدو مین طبلِ جنگ،
ہو مغفرت خلیق کی یا ربِّ ذوالکرام،

طبل متحرک الاوسط صحیح نہین، اور ذوالکرام مہمل لفظ ہے۔ نجیب صاحب کہتے ہین کہ اصل مین طبل کے بجاے دُہل، اور ذوالکرام کے بجاے یا خالق الانام ہے۔

۸۔ تھا زیرِ زرہ کا دو سر اس طرح کا بکتر،
اعتراض۔ بکتر کا دو سر نہین ہوتا۔
جواب۔ اصل مین یون تھا ع پہنے ہوے زیرِ زرہ اس طرح کا بکتر۔

۹۔ اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا عالی۔ "کونین کا عالی" غلط ہے۔
جواب۔ اصل مین عالی کے بجاے والی ہے۔

۱۰۔ رنگ رُخِ اشرار عرب ہو گیا فق سے۔ "رنگ فق سے ہو گیا" محاورہ نہین،
اس کا جواب یہ دیا ہے کہ میر انیس جو کچھ کہہ دین وہی محاورہ ہے۔

۱۱۔ شرمندہ زمانہ سے گئے وائل و سحبان۔ وائل کوئی فصیح نہین گذرا
جواب۔ اصل یون ہے۔ وعقیل و سحبان۔

ان اعتراضات کے علاوہ، نسّاخ نے اور بھی بہت سے اعتراض کئے ہین۔ لیکن چونکہ وہ صحیح نہ تھے، قلم انداز کئے گئے، نسّاخ نے بہت سے صحیح اعتراضات چھوڑ بھی

دیئے اُن کی تفصیل ذیل مین ہے —

بت توڑکے کعبہ کو صفا کردیا کس نے،	"صاف کردیا" چاہیئے ۔
برخاست کی چراغون کو پروانگی ہوئی،	پروانگی غلط ہے ۔
جو حرف قُران کا ہو وہ ہے لائق تعظیم،	قرآن بروزن فعلان ہے ۔
ایسا کبھی کوئی بیکس وبے آس نہوگا،	بے آس کا عطف بیکس پر جائز نہین ۔
گرتے تھے دلیوران ہوا کھولے ہوے پر،	دلیور۔ خود جمع ہے، اسکی جمع الجمع نہ صحیح ہے نہ مستعمل ۔
جو خوبیان کہ چاہیین وہ سب حصول ہین،	حصول کے بجاے حاصل چاہیئے ۔
کتنی نہین پانی کی سلامت رہین عباسؑ	کتنی انفار اور اراذل کی زبان ہے ۔
واللہ اُس سے زور عیان لاتعد ہوا	قتل اس کے ہات سے عمر عبدود ہوا
عبدود، لاتعد کا قافیہ نہین ہوسکتا ۔	
کرار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے،	فرار بہ تشدید را چاہیئے ۔
عالم کی تغیری بہ بحالی کی ہے آمد،	تغیری صحیح نہین ۔
مت روکنا ہے خاطر مہمان واجبات،	واجبات سے، یا واجب چاہیئے ۔
اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شبیرؑ	خوش چاہیئے ۔

اس قسم کی اور بہت سی غلطیان ہین، اور غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہین اسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ میر انیس کے کلام مین اس قسم کی غلطیان ضرور موجود ہین۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور بڑے شعرا گذرے ہین سب کی یہی حالت ہے، فردوسی سے بڑھکر کون قادر الکلام ہوگا، متاخرین مین قاآنی کا جواب نہین ان دونون کے کلام مین اس قسم کی بیاعتدالیان کثرت سے موجود ہین۔ لوگ، اُن شعرا کو نمونہ بناتے

ہین جنکی شاعری کا دائرہ چند عشقیہ خیالات تک محدود ہے۔ لیکن جو شخص سیکڑون قسم کے مختلف واقعات کو شعر مین ادا کرنا چاہتا ہے' ان مسامحات سے کیونکر بچ سکتا ہے' اس لئے قادر الکلام شعرا کو اس جرم سے بری رکھنا چاہیئے۔

لفظی غلطیون کے سوا معنوی حیثیت سے بھی بہت سی باتین قابل اعتراض ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے'

(۱) اکثر جگہ مصرعون مین باہم ربط نہین ہوتا' اور صاف نظر آتا ہے کہ دوسرا مصرعہ برجستہ نکل آیا تھا' اس کے لئے زبردستی قافیہ اور ردیف کی رعایت سے اوپر کا مصرعہ پیوند کیا ہے' مثلاً ؎

سر بر کہین ہوے ہین سختی سے دنی کہین	بوڑی کہین تھی ڈانڈ کہین تھی' انی کہین	
سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے'	پتلی ہے چشم مین کہ ترائی مین شیر ہے	آنکھ کی تعریف
بے مثل تھی شرف مین اصالت مین نیک تھی	ملجاتین دو زبانین جو اس کو تو ایک تھی	تلوار کی تعریف
خواہان تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے	شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے	
ہالے تھے دو ملے ہوے گھوڑون کی گشت سے	خاک آسمان پہ جاتی تھی اڑ اڑ کے دشت سے	
بہہات مین شکست' ظفر نیک ہات مین	ہات اڑکے جا پڑا کئی ہات ایک ہات مین	

اس قسم کے اور سیکڑون اشعار ہین۔

(۲) اکثر جگہ لفظی رعایت کی پابندی کی وجہ سے کلام اوچھا اور بے اثر ہو جاتا ہے۔ مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کا تمہیدی فقرہ سُن کر تمام لشکر مین جب سناٹا چھا گیا ہے تو اس موقع پر لکھتے ہین ؎

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش	تھم گیا طبل وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش	کیا بجاتے کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش

چھیڑنا اُن کو سرودون کا بھی ناساز ہوا
رعب فرزند نبی سرمۂ آواز ہوا

پہلے تین مصرعون مین رعب اور ہیبت کا جو اثر پیدا ہوا "بجانا" "سرود" "ناساز" کی ضلع جگت نے اس کو بالکل زائل کر دیا،

یا مثلاً اس دعا مین ؎

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری
بلبل کی زبان پہ ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہمکو بھی مل جاے ریاضت کا ہماری

نخل، برومند، باری، پھل، ریاضت کا التزام یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ دعا مانگنے والے کا دل خضوع خشوع سے زیادہ لفظی رعایتون مین لگا ہوا ہے،

یا مثلاً ان اشعار مین نہایت مبتذل طریقہ سے لفظی رعایت کو صرف کیا ہے،

ع بولے نہنگ، خوب نہین یہ اگر مگر،
ع سایہ کنوئین مین اُترا تھا پانی کی چاد سے،
ع اب ہاتھ دستیاب نہ تھے مُنہ چھپانے کو،
ع آری جو ہوگئی تھین وہ سب ذوالفقار سے،

ابن سعد مجرے کہتا ہے -

کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہین کہ ترکے تو چھینٹون تین نہین آیا ہے
شجر قامت سرور پہ جو ڈالے گا نظر
سر چڑھیگا ترا برچھی پہ یہ ہے اسکا ثمر

الفت زلف سے بھی پیچ مین پڑ جائے گا
خال رخ دیکھا تو تو خال سے لگ جائے گا

بدر پیشانی سرور کا جو ہے سر مین خیال
تو اسی ماہ مین نقصان ترا ہوسے گا کمال
سب مین ہوجائیگا انگشت نما شکل ہلال
تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا وبال

عشق رخسار مین رتبہ ترا گھٹ جائے گا
منہ پہ کہتا ہون کہ چہرہ ترا کٹ جائیگا

پانون یہ وہ ہین کہ ان پانون کو جو ہات لگائے ۔ تو سر دست سر افرازی کونین کو پائے

اس قسم کی تکلف کی ہزارون مثالین ہین -

ان تکلفات کی وجہ سے اکثر جگہ بلاغت کا سر رشتہ بالکل ہات سے جاتا رہتا ہو مثلاً صغری کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام سفر مین ساتھ نہیں لیجانا چاہتے، اور اُن کی بیماری کا عذر کرتے ہین تو وہ کہتی ہین کہ کیا گھر پر تنہا رہنے اور رونے پیٹنے سے مین اچھی ہو جاؤنگی، اس موقعہ پر لکھتے ہین -

ع غم کھانے سے آجائیگی قوت مرے تن مین ؟

ان تمام اعتراضات کا صرف یہ جواب ہے کہ لفظی رعایت کی پابندی کے سوا جو لکھنؤ کا خمیر بن گیا تھا، باقی عیوب لازمۂ انسانی ہین اور کسی بشر کا کلام ان سے پاک نہیں ہو سکتا،

سرقات

اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ میر انیس اور (مرزا دبیر) کے بہت سے اشعار پر سرقہ کا گمان ہو سکتا ہے، کیونکہ وہی مضامین بعینہ یا بخفیف تغیر اساتذہ کے ہان پائے جاتے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب پر سرقہ کا اطلاق نہین ہو سکتا، اساتذہ کا قاعدہ ہے جب وہ دیکھتے ہین کہ ایک مضمون کسی متقدم شاعر نے باندھا لیکن اچھی طرح نہ بندھ سکا، یا اس پر ترقی ممکن ہے تو وہ دانستہ اسی مضمون کو لے کر اس طرح ادا کرتے ہین کہ جو کسر تھی نکل جاتی ہے، اور شعر بلند رتبہ ہو جاتا ہے، فردوسی نے

خیمہ کی تعریف لکھی تھی ؎

یکی خیمہ برداشت افراسیاب
زمشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

نظامی نے دیکھا کہ مبالغہ اچھا ہے لیکن کوئی ثبوت نہین انھون نے ایک تشبیہ پیدا کر کے ثبوت دیدیا ؎

یکی خیمہ داشت چون آفتاب
زمشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

آفتاب کی تشبیہ نے مشرق سے مغرب تک طنابون کا کھنچا ہونا ثابت کردیا کیونکہ آفتاب خیمہ سے اور اسکی کرنین طناب سے مشابہ ہین۔

سعدی کا شعر تھا ؎

ترا ہر آئنہ باید بہ شہر دیگر رفت
کہ دل نماند درین شہر تا ز بالی باز

شہر کے شہر کا دل چھین لینا معشوق کا کمال ہے لیکن معشوق کو یہ صلاح دینی کہ وہ کسی اور شہر کو چلا جائے لغویات سے ہے۔ اس لئے امیر خسرو نے اسکا چارۂ کار یہ بتایا ؎

کسی نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سلمان ساوجی کا شعر تھا ؎

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل
شاہد آن ہست کہ این دارد و آنے دارد

خواجہ حافظ نے اسکو مطلع کر کے بلند کردیا ؎

شاہد آن نیست کہ موئی و میانی دارد
بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

سلمان کے شعر مین این و آن کا جو لطف تھا وہ اچھی طرح ادا نہ ہو سکا تھا کیونکہ آن مین نون باعلان ہے اس لیئے آن (جو این کا مقابل ہے) کا ایہام نہین ہوتا تھا خواجہ حافظ نے اس نقص کو یون پورا کیا ؎

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن		یار ما این دارد و آن نیز ہم

صاف نظر آتا ہے کہ ان لوگون نے دیکھا کہ ایک عمدہ بات پیدا ہوئی تھی لیکن ناقص رہ گئی، ایک چیز کو ناقص چھوڑ دینا اچھا نہ تھا اسکو پورا کر دیا، اگر اس کا نام سرقہ ہے اور یہ عیب ہے تو دنیا میں ہر قسم کی صنعتیں جو ایجاد ہوئیں وہ اُسی پہلی حالت پر قائم رہنی چاہیئے تھیں، چھکڑے کے بجائے فٹن اور بروم طیار کرنا بھی سرقہ قرار پاتا۔

میر انیس صاحب کے ہان جو سرقے پائے جاتے ہین اکثر اسی قسم کے ہین۔

مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کے طور پر جناب رسالت پناہؐ سے اپنا تعلق ثابت کیا ہے تو یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسوقت میرے بدن پر جو اسلحہ اور ملبوسات ہین وہ آنحضرتؐ کے ملبوسات ہین۔ اس مضمون کو میر ضمیر نے اس طرح ادا کیا تھا ؎

پہچانتے ہو کسکی مرے سر پہ ہے دستار کسکی زرہ، کسکی سپر، کسکی ہے تلوار		دیکھو تو عبا کسکی ہے کاندھے پہ نمودار مین جس پہ سوار آیا ہون کس کا ہے یہ رہوار

باندھا ہے کمر مین جسے یہ کس کی ردا ہے
کیا فاطمہؑ زہرا نے نہین اس کو سیا ہے؟

یہ واقعہ مرثیہ کا ایک ضروری جزو تھا، اس لئے میر انیس صاحب اس کو بالکل چھوڑ نہین سکتے تھے لیکن دیکھو، اسی بات کو کیونکر ادا کیا ؎

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار یہ مین کس کا ہے یہ چار آئنۂ جوہر دار		یہ زرہ کسکی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار کس کا رہوار ہے یہ آج مین جسپر ہون سوار

کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کس کی ہے

میر ضمیر	جب کہ ذوالفقار نے کاٹے تنہ تنین پہ	ہرگز نہ دم لیا پر روح الامین پر
میر انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر	کاٹے ہین کسکی تیغ دوپیکر نے تین پر
میر ضمیر	اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو یہ گمان	تھا اژدہاے موسی عمران کی وہ زبان
میر انیس	ع گویا زبان نکالے ہوے اژدہا چلا	
میر ضمیر	اک نیزہ ہوا پار دو سو سو کے جگر سے	رشتہ کا گذر ہوتا ہے جون سلک گہر سے
میر انیس	ہوتا تھا پار آکے وہ ہنگام دار وگیر	سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
میر ضمیر	کونین مین پکار ہوئی الامان کی	انسان تو کیا جنون کو پڑی اپنی جان کی
میر انیس	ع چلاتی تھین پریان کہ خدا جان بچائے	

لیکن بہت سے اشعار ایسے بھی ہین جن مین کسی قسم کی ترقی نہین ہے بلکہ کسی فارسی شعر کو بعینہ لے لیا ہے۔ اس قسم کے مضامین کو حسن ظن ہو تو توارد ورنہ سرقہ کہنا چاہیئے۔ چند مثالین نمونہ کے طور پر ذیل مین لکھی جاتی ہین ؎

میر انیس	پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس	اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے
لا احد		کوتاہیئے کہ بود نہ عمر دراز بود
میر انیس	عقدے سب حل ہوے مگر آہ انیس	یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا
بوعلی سینا	کردم ہمہ مشکلات عالم را حل	ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل
میر انیس	نافہ کی طرح عمر خطا مین گذری	بالون پہ سفیدی ہے سیاہی دل مین
کاتبی	بودیم ہمچو نافہ ہمہ عمر در خطا	موی سفید بین و درون سیاہ ما
میر انیس	ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار	ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
نظامی	سنان بر سنان رستہ چون نوک خار	سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار
میر انیس	خود پیام زندگی لائی قضا میرے لیے	شمع کشتہ ہون فنا مین ہے بقا میرے لیے

میرانیس اور مرزا دبیر کا موازنہ

اُردو علم ادب کی جو تاریخ لکھی جائیگی، اُس کا سب سے عجیب تر واقعہ یہ ہوگا کہ مرزا دبیر کو ملک نے میرانیس کا مقابل بنایا اور اس کا فیصلہ نہ ہوسکا کہ ان دونون حریفون مین ترجیح کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے۔

شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا، کسی واقعہ کا، کسی حالت کا، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جائے کہ اُسکی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے۔ دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولونکی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی سختی، گرمی کی طپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلاویزی، یا رنج و غم، غیظ و غضب، جوش و محبت، افسوس و حسرت، عیش و طرب، استعجاب و حیرت، ان چیزون کا اس طرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلون پر چھا جائے، اسی کا نام شاعری ہے۔

اس کے ساتھ الفاظ مین فصاحت، سلاست، روانی، بندش مین چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی، دلاویزی اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات و استعارات، اصول بلاغت کے مراعات، ان تمام اوصاف مین سے کونسی چیز مرزا دبیر مین پائی جاتی ہے، فصاحت اُن کے کلام کو چھو بھی نہین گئی، بندش مین تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دوراز کار، بلاغت نام کو نہین، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہین خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہے لیکن اکثر جگہ اُسکو سنبھال نہین سکتے۔

ہماری یہ غرض نہین کہ ان کے کلام مین سرے سے یہ باتین پائی ہی نہین جاتین۔ وہ نہایت پرگو تھے، ان کے اشعار کا شمار ہزارون کیا لاکھون تک ہے، اخیر مین وہ میر انیس کی تقلید بھی کرنے لگے تھے، اس بنا پر ان کے کلام مین جابجا شاعری کے لوازم اور خاصے پائے جاتے ہین، لیکن گفتگو قلت اور کثرت مین ہے۔ میر انیس کے بہت سے اشعار مین فصاحت و بلاغت کا حصہ بہت کم ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونون مین سے نسبتاً کس کا کلام شاعری کے معیار پر پورا اُترتا ہے۔ میر انیس کا عیب و ہنر تم دیکھ چکے، اب مرزا صاحب کے متعلق ہم ایک ایک چیز بہ تفصیل لکھتے ہین۔

فصاحت - یہ امر بدیہی ہے کہ مرزا دبیر کے کلام مین وہ فصاحت اور شستگی نہین جو میر انیس کے کلام مین ہے، اور اس کے مختلف اسباب ہین۔

(۱) مرزا صاحب اکثر ثقیل اور غریب الفاظ استعمال کرتے ہین۔ مثلاً

ع مستدعی شق القمر آکر ہوے گمراہ

ہر کوہ کی آواز انا الطور انا الطور

الحشر کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر مین

لبیک و سعدیک تھا ورد ملک و حور

المنتہی یہ ربط یہ ضبط اس وغا مین تھے

خاص الخلاصۂ بنی آدم، کمال مین

یارو! سُنا مدائح نوشاہ کا بیان

رُخ بیّنۂ صدق کرامات پیمبر

مستجمع جمیع فضائل، ملک سیر

مستغرق روح اُسنے کیا تب عسل و شیر

ع لیکر رطب دلو و دوم کہنے لگے شاہ

میدانی و نقیب و عصادار و چوبدار

عرشی فلکی بڑھ کے نقیبانہ پکارے

اس قسم کے سیکڑون الفاظ ہین، ہم نے صرف دو تین مرثیون سے سرسری انتخاب کیا ہے، ورنہ سیکڑون ہزارون تک نوبت پہونچتی، یہ الفاظ اگرچہ صحیح ہین عربی اور فارسی مین مستعمل ہین، لیکن اردو نظم کی سلاست اور روانی ان کی متحمل نہین ہوسکتی۔

(۳) بعض الفاظ بجاے خود ایسے ثقیل اور گران نہین لیکن مرزا صاحب جن ترکیبون کے ساتھ ان کو استعمال کرتے ہین، ان سے نہایت ثقل اور بھداپن پیدا ہوجاتا ہے، یہ امر ان مثالون مین صاف واضح ہوجاتا ہے جہان ایک ہی لفظ یا الفاظ کو میر و مرزا دونون نے استعمال کیا ہے۔

ہل اتی، انما، قل کفی، یہ چارون لفظ حضرت علیؑ کے فضائل کی تلمیحات (الیوژن) ہین، ان تلمیحات کو ایک ایک بند مین دونون نے باندھا ہے، مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

اہل عطا مین تاج سر ہل اتیٰ ہین یہ — اعیان لافتیٰ مین شہ لافتا ہین یہ

خورشید انور فلک انما ہین یہ — کافی ہے یہ شرف کہ شہ قل کفی ہین یہ

ممتاز گو خلیل رسولان دین مین ہین

کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقین مین ہین

میر انیس کہتے ہین ؎

حق نے کیا عطا یہ عطا ہل اتی کسے — حاصل ہوا ہے مرتبہ لافتا کسے

کونین مین ملا ہے شرف انما کسے — کہتی ہے خلق بادشہ قل کفا کسے

دنیا مین کون منتظم کائنات ہے
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

مرزا صاحب کے کلام مین اس قسم کی ناموزونی نہایت کثرت سے ہے، ہم صرف چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین ؎

ع اک شخص کمرشہ کی لگا باندھنے خورسند
اک دلو بھرو پانی سے اور ایک رطب لو
نوبت زنِ نہ بام عروجِ فلکِ پیر
ملبوس قلمکار نہ دو دن سے نہ پیرانا ؎

سرکو عوض پارہ مدحت مین دھرون گا — شرع کہن ناطقہ منسوخ کرونگا

ع یہ صورت پیغمبر قوسین مکان ہے ؎

ہے طلعت جلد و نفس سینہ یہ محسوس — وہ برق شفق مین تو یہ پروانہ بہ فانوس
ناگاہ کھلا دشت مین بازار دو گشت — تیغین کھنچین یکدست تلے گرز بھی کمشت

ع نہ چشم جراحت نہ رہ قوت کو دیکھا
کہتے ہین جسے عاشق و شیدا ملک وناس
خیاط عہد طفلی شاہ انام تھی
اسکی ثنا مشقت مالایطاق ہے
نانا نے تو قلم کئے جبریل کے سر پر ؎

کفار بڑھے طیش سے ہونٹونکو دبا کے — دانتون کے تلے بال محاسن کے دبا کے

آمد ہے امام سوم ہر دوسرا کی ؎

اس سر پہ دھرے ہات یہ قسمیہ اجل ہے — بس ہدیۂ اللہ کے قابل یہی پھل ہے

بندش کی سستی اور ناہمواری میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی جو چیز مابہ الامتیاز ہے، وہ الفاظ کی ترکیب نشست اور بندش کا فرق ہے، میر انیس کا کلام تم پڑھ چکے ہو، ان کا اصلی جوہر، بندش کی چستی، ترکیب کی دلاویزی، الفاظ کا تناسب، اور برجستگی و سلاست ہے، یہ چیزین مرزا صاحب کے ہان بہت کم ہین، ایک ہی مصرعہ مین ایک لفظ نہایت بلند اور شاندار ہے، دوسرا مبتذل اور پست ہے، بند کا ایک شعر اِس زور شور کا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرجتا آرہا ہے، دوسرا بالکل پھیکا اور کم وزن ہے، دو تین بند صاف اور سلیس نکل جاتے ہین پھر تعقید اور بے ربطی شروع ہوتی ہے، اکثر جگہ الفاظ بڑے دھوم دھام کے ہین لیکن حاصل کچھ نہیں، یہ باتین اگرچہ عام طور پر ان کے تمام مرثیون مین پائی جاتی ہین لیکن نمونہ کے طور پر ہم چند بند اُن مرثیون کے نقل کرتے ہین جو بڑے زور کے مرثیے خیال کیے جاتے ہین اور جن مین بعض میر انیس کے جواب مین لکھے گئے ہین ؎

اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے	اے طنطنۂ طبع جزو و کل کو ملا دے
اے معجزۂ فکر فصاحت کو جلا دے	اے زمزمۂ نطق بلاغت کا صلا دے

اے بائے بیان معنی تسخیر کو حل کر
اے سین سخن قاف سے تا قاف عمل کر

یہ مرثیہ میر انیس کے جواب مین ہی، کس زور شور کی اُٹھان ہے، کیسے پر رعب الفاظ ہین لیکن معانی مین بہت کم ربط ہے، طنطنہ کو جزو و کل کے ملا دینے سے کیا نسبت ہے؟ زمزمۂ نطق سے بلاغت کا صلہ مانگنے کے کیا معنی؟ بیان کی بے کو تسخیر سے کیا خاص تعلق ہے؟ اسی طرح سخن کے سین کو قاف سے قاف تک عمل کرنے کے لئے کیا خصوصیت ہے، ؎

بولا علم خامہ فلک پر میں گڑون گا
معنی نے کہا بیت مین آئینہ جڑون گا
سکہ نے ندا دی زر انجم پہ پڑون گا
مضمون پکارا مین کسی سے نہ لڑون گا

بندش یہ کھلی دم مین فصاحت کا بھرونگی
چلائی طبیعت کہ مین اصلاح کرونگی

پہلے دو مصرعے کسقدر دہوم دہام کے ہین تیسرے مین تنزل شروع ہوا چوتھا بالکل گر گیا۔ کیونکہ اوپر کے مصرعون کی مناسبت کے لحاظ سے موقع یہ تھا کہ اسمین بھی کوئی ایجابی دعوی کیا جاتا۔ مضمون کا نہ لڑنا اگرچہ معنی تعریف کی بات ہے لیکن یہان لڑائی سے گریز کرنے کا موقع نہین اخیر کا شعر اور خصوصًا اسکا دوسرا مصرع کسقدر پھس پھسا اور مبتذل ہے۔ طبیعت کے چلانے کا یہ کیا موقع ہے اور طبیعت کے لئے چلانا کتنا ناموزون لفظ ہے؟

ہین کون ہون صاحب علم کلک جہانگیر
تاج سر لفظ و سخن و معنے و تحریر
نوبت زن نہ بام عروج فلک پیر
خاک قدم محتشم و مقبل شبیر

شن کر نہ کرے ہان تو شکایت بھی نہین ہے
انصاف تو کہتا ہے خداوند یون ہی ہے

پہلے تین مصرعون کا جو انداز ہے، چوتھا مصرع اس سے کس قدر بیگانہ ہے،؟

مضمون مین نئی کرتا ہون ایجاد ہمیشہ
کہنے مین ہے تاثیر خدا داد ہمیشہ
کہتا ہے سخن حضرت استاد ہمیشہ
بھولے سے بتا دون تو رہے یاد ہمیشہ

بے لطف خدا یہ ہمہ دانی نہین آتی
ہر شمع صفت چرب زبانی نہین آتی

جو چیز خداداد ہے اُسکے لئے ہمیشہ کی قید حشو محض ہے، چوتھا مصرع تیسرے مصرع سے بالکل بے تعلق ہے، اُستادی کا ذکر دوسرے مصرع مین ہے، اور اُس کے ساتھ اس مصرع کو ربط ہوسکتا ہے ٹیپ کے دو مصرع بھی باہم بے تعلق ہین -

تین چار بند کے بعد فرماتے ہین ؎

مضمون تر و تازہ ہے چستی مین یگانا	بلبوس قلمکار، نہ دو دن ہے نہ پرانا
اس دھیان سے آنے سے کرم شاہ کا جانا	خدام ولا بولے کہ ہان ہات بڑھانا

لے ہدیۂ تائید قدیر ازلی ہے
لے خلعت تحسین حسینؑ ابن علیؑ سے

پہلے اور دوسرے شعر کی ترکیب اور انداز مین باہم کسقدر تفاوت ہے، دوسرا شعر پہلے شعر سے بالکل الگ ہوگیا ہے، دوسرے شعر کی بندش ایسی ہے کہ مطلب بھی آسانی سے سمجھ مین نہین آتا، اس دھیان کا مشارالیہ کون ہے ؎

حامی جو سلیمان دو عالم نظر آئے	مضمون جو عنقا تھے وہ پر جوڑ کر آئے
طاوس تصور کی طرح دل مین در آئے	شیشہ مین پری زاد معانی اُتر آئے

یاقوت بدخشان سے در آتے ہین عدن سے
لعل اُگلون گا مین طائر سدرہ کے دہن سے

حضرت سلیمان کو عنقا سے کیا تعلق ہے، تصور کی تشبیہ طاؤس سے کس بنا پر ہے، اور پھر اس کے کیا معنی کہ عنقا سے مضمون دل مین اس طرح اُتر آئے جس طرح طاؤس تصور دل مین اُتر آتا ہے، طاؤس دل مین نہین اُترتا، اور اگر تصور کے طاؤس ہونے کی بنا پر ہے تو مضمون کا عنقا خود دل مین اُتر سکتا ہے، طاؤس کی مشابہت کی کیا ضرورت ہے؟ ٹیپ مین عجب بے ربطی ہے، شاعر لعل اُگلے گا لیکن طائر سدرہ کے دہن سے اُگلے گا،

اسکے کیا معنی؟ شاید اُگلنے کو اُگلوانے کے معنی میں لیا ہے، یا اپنے آپ کو طائر سدرہ قرار دیا ہے ۵

کب شعلۂ خس نور کی قندیل کو پہونچے
پشہ کا نہ غل صور سرافیل کو پہونچے
اُڑ کر نہ مگس طنطنۂ فیل کو پہونچے
بلبل نہ لب و لہجۂ جبریل کو پہونچے

ارباب سخن پر جو سخن در ہے ہمارا
القاب سخن سنج سخن در ہے ہمارا

کسقدر بھدے الفاظ اور بھدی ترکیبیں ہیں۔ اسکے علاوہ بے ربطی کو دیکھو، شعلہ کا مقابلہ قندیل سے نہیں بلکہ قندیل کی روشنی سے ہو سکتا ہے، پرواز کو طنطنہ سے کیا نسبت ہے؟ بلبل کو جبریل سے کیا مناسبت ہے، لقب کے بجائے القاب باندھا ہے ۵

سرکار ہے ہر مجلس شبیر ہماری
آئینۂ سکندر پہ ہے تسخیر ہماری
مضمون کی طرح بیت ہے جاگیر ہماری
ہے مہر سلیمان کی تحریر ہماری

تنہا مہ و ماہی پہ نہیں سکہ پڑا ہے
سورج کا نگینہ بھی انگوٹھی پہ جڑا ہے

بیت کا درجہ مضمون سے کم ہے، کیونکہ بیت کی جو خوبی ہے مضمون ہی کی وجہ سے ہے، اس بنا پر یہ تشبیہ کہ مضمون کی طرح بیت ہماری جاگیر ہے، بے معنی ہے جب مضمون جاگیر ہو چکا تو بیت خود ہی جاگیر ہوگئی، ٹیپ کا اخیر مصرع بالکل بے معنی ہے، پہلے انگوٹھی سے کسی چیز کا استعارہ کرنا تھا پھر سورج کا نگینہ جڑنا تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہاتھ میں پہننے کی انگوٹھی پر سورج کا نگینہ جڑنا کس قدر لغویات ہے ۵

قابل ہیں سخن کے جو وہ سخن ہیں مرے قابل
لیکن سخن شہرۂ فگن ہے مرے قابل

رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل	موتی کو صدف اور یہ عدن ہو مرے قابل

شہرہ ہے یہ تائید سے شرحن و ملک سے
مضمون مرا گھر پوچھتے آتے ہیں فلک سے

سخن شہرہ فگن نئی ترکیب ہے، ع رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل، ناموزون ترکیب ہے، یا تو یون ہونا چاہیے تھا کہ رضوان کو جنت چاہیے، اور مجھکو یہ چمن، یا یون کہنا تھا کہ رضوان کے قابل جنت ہے، اور میرے قابل یہ چمن، چوتھے مصرع کی ترکیب کا بھی یہی حال ہے، ٹیپ کے دونون مصرع قریبًا باہم متناقض ہین، شہرہ بھی انتہا کا ہے اور مضمون کو گھر پوچھنے کی بھی ضرورت ہے، شاید یہ مراد ہو کہ صرف نام مشہور ہو چکا ہے لیکن چونکہ مضامین کو کبھی مرزا صاحب سے روشناسی نہین ہوئی اور آستانۂ مبارک تک پہونچنے کی نوبت نہین آئی، اس لئے گھر کا پتہ پوچھنا پڑا ۱۵

ہین وقف ہمیشہ مرے الفاظ و معانی ہر بحر مین ہے بحر طبیعت کی روانی	ہان قلزم شیرین کا بھی پیتے ہین پانی ہے زور سخن شور پہ موجون کی زبانی

قطرہ سے مگر بخت مین ہین صرف نہین ہون
دریا ہون سخن کا مین تنک ظرف نہین ہون

تیسرے مصرع کا مطلب مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ زور سخن شور پر ہے، لیکن اس بات کو مین نہین کہتا بلکہ موج کی زبان کہتی ہے، بخت مین صرف ہونا کون سا محاورہ ہے، ٹیپ کے دوسرے مصرع مین "مین" کا لفظ محض فضول ہے، پہلے مصرع مین "مین" کا لفظ آچکا ہے ۱۵

خامہ ہے فروتن مرا افراط ادب سے نخوت کے معانی ہین الگ لفظون کے لب سے	جھک جھک کر شرفا اور نجبا ملتے ہین سب سے جس طرح سے بدعمل جدا نیک نسب سے

دشمن سے بھی ہم قطع نہین کرتے حیا کو ؛
مانند غبار اُٹھتے ہین تعظیم ہوا کو ؛

پہلے مصرع مین خاکساری اور انکساری کے بجاے ادب کہا ہے، حالانکہ دونون مین بہت فرق ہے، تیسرے مصرع کی ترکیب اور لفظ کے لب کا استعارہ سابق ولاحق کی سادگی وصفائی سے نہایت بیگانہ ہے، ؎

شیرین سخنی کا ہُنر اکبرؑ سے لیا ہے ۔ اس ذرہ مین سب مہر حسینیؑ کی ضیا ہے
بیمہری افلاک سے گو خاک بسر ہون
ہان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہُنر ہون

گو خاک بسر ہون کا جواب، ہان عیب بڑا یہ ہے کسقدر بے جوڑ ہے ''مین'' کا لفظ بالکل حشو ہے،

مرزا صاحب کا ایک اور نہایت مشہور مرثیہ ہے ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ۔ رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے ۔ خود عرش خداوند زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہین سمیٹے ہوے پر کو
ہیبت سے ہین نہ قلعۂ افلاک کے در بند ۔ جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند ۔ سیارے ہین غلطان صفت طائر پربند
انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجہ سے علم چھوٹ پڑا ہے

یہ دونون بند اپنے انداز مین پورے ہین، اب تیسرا بند ملاحظہ ہو ؎

خود فتنہ و شر پڑھ رہے ہین فاتحۂ خیر
جان غیر، بدن غیر، مکین غیر، مکان غیر
کہتے ہین انا العبد لرز کر صنم دیر
نے چرخ کا ہے چرخ نہ سیارہ کی ہے سیر
سکتہ مین فلک خوف سے مانند زمین ہے
جز بخت یزید اب کوئی گردش مین نہین ہے

انا العبد کسقدر سلاست کے خلاف ہے، یہ مصرع ع جان غیر، بدن غیر، مکین غیر، مکان غیر، اس بند مین کسقدر بیگانہ واقع ہوا ہے ٭

بیہوش ہے بجلی یہ سمند ان کا ہے ہشیار
پوشیدہ ہے خورشید علم ان کا نمودار
خوابیدہ ہین سب طالع عباسؑ ہے بیدار
بے نور ہے منہ چاند کا۔ رخ ان کا ضیابار
سب جزو ہین۔ کل ترسہ مین کہلاتے ہین عباسؑ
کونین پیادہ ہے سوار آتے ہین عباسؑ

یہ بند اوپر کے بند سے دفعتہً اس قدر بے تعلق ہوگیا ہے کہ مطلب سمجھنا مشکل ہے، "ان" کا مشارٌالیہ حضرت عباسؑ ہین، لیکن چونکہ حضرت عباسؑ کا ذکر صرف پہلے بندون مین آیا تھا جس سے تین بندون کا فاصلہ ہے، اس لیئے ذہن اس طرف جلدی منتقل نہین ہوتا۔ مضمون کی بے ربطی کی یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف تو ہل چل کی وجہ سے بجلی کو بیہوش قرار دیا ہے دوسری طرف فرماتے ہین کہ سب خوابیدہ ہین، ٹیپ کی بندش کی سستی خود ظاہر ہے ٭

چمکا کے مہ و خور زر و نقرہ کے عصا کو
عدل آگے بڑھا۔ حکم یہ دیتا ہے قضا کو
سرکاتے ہین سپر فلک پشت دوتا کو
ہان باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سر کاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

ان استعارات میں جو لطافت ہے وہ ظاہر ہے،

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایک مشہور اور معرکہ کے مرثیہ کے متعدد بند اس موقع پر نقل کر دیں جس سے مرزا صاحب کی طرز بندش کے تمام محاسن و معائب کا پورا اندازہ ہو سکے۔ یہ مرثیہ وہ ہے جس کو مرزا صاحب کے نامور معتقدین اکثر مجالس میں بڑے فخر کے ساتھ پڑھتے ہیں ؎

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی
یہ شان ہے نشان رسالت مآبؐ کی
پانی ہے کس پھریرے سے ہمت سحاب کی
چوب علم کلید ہے جنت کے باب کی

نقش علم کے پنجہ میں اللہ کا ملا
بندوں کو اس نشان سے نشانِ خدا ملا

صبح جہادِ شاہ ثریا جناب ہے
مشرق سے واں علم، علمِ آفتاب ہے
فوج حسینؑ ابن کے ظفر ہمرکاب ہے
یاں نور کا نشان علمِ بوترابؑ ہے

روشن علم سے آنکھ مشرقین ہے
مشرق میں شمس عکسِ نشانِ حسینؑ ہے

طوبیٰ کی شاخ تیشۂ قدرت نے کی قلم
کی صاد قوں کی راستی قول اس میں ضم
اور نور نخل طور بھرا اس میں یک قلم
بے پردہ ہو کے عقدہ بنی، پوشش علم

جب باندھ کر پھریرے کو سیدھا علم کیا
صانع نے پردہ میں ید طولیٰ علم کیا

دامن ہے کبریا کا سراپردۂ جلال
پھیلا ہوا ہے شیر پھریرے کا بے جدال
ماہی مراتب اس سے ہیں شاہوں کا پائمال
شیر فلک کو دیکھ کے ہوتا ہے لال لال

تسخیر غرب و شرق اسے کیا محال ہے
پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے

نور خدا سے قالب خیر الامم بنا
وان ابر چتر فرق نبیؐ بر قدم بنا

سایہ نبیؐ کا ہو کے مجسم علم بنا
یان پوشش علم، وہ سحاب کرم بنا

سب کام بند ہون، جو پھریرا نہ وار ہے
سچ ہے خدا کے فیض کا چشمہ کھلا ہے

اب رایت زبان سے مضمون علم کرون
مجلس مین ذکر شفقت رحال علم کرون

اور معنی بلند کا لشکر بہم کرون
رایت مین سلک نظم کے پرچم کو ضم کرون

مشتاقون کو زیارت رایت ضرور ہے
اس رایت نجم کی درایت ضرور ہے

جب شاہ انبیا کو ہوئی خواہش علم
جاری ہوا یہ حکم خداوند محترم

آئی ندا فلک سے ابھی بھیجتے ہین ہم
ہان قدسیو! علم کی درستی کرو بہم

تیار میرے دوست کی خاطر نشان کرو
یعنی علم کی فکر سے خاطر نشان کرو

تعقید — مرزا صاحب کے کلام کی ایک خصوصیت تعقید بھی ہے، وہ جہان معنی آفرینی اور دقت پسندی پر زیادہ توجہ کرتے ہین کلام مین پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے، وہ نہایت دقیق اور بلند مضامین پیدا کرتے ہین لیکن مناسب الفاظ ہات نہین آتے اس لیے مضمون ایک گورکھ دھندا ہو کر رہ جاتا ہے۔

تلوار کی تعریف

سایہ نگہ چشم شیام اوج پر آیا ؛
اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا

خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا — یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

وان شور تھا پیدا مہ نو سے مہ نو ہے
یان غل تھا جدا شمع سے یہ شمع کی لو ہے

آمد کی دھوم۔

خود ابر فلک گرد سواری مین گھرے ہین — دریا مین عدو ڈوب کے دوزخ مین ترے ہین
یون کانپ کے سردارون کے منہ رنگ سے پھرے ہین — بت حرص کے طاق دل اعدا سے گرے ہین

رعشہ ہے فقط ہات نہین پانون نہین ہے
دہشت کے سبب دھوپ نہین چھانون نہین ہے

سراپا۔

معراج پیمبر کی تو روشن ہے حقیقت — یان دیکھو تو عرش جبین چشم کی زینت
اترا ہے نبی کے لیئے یہ کاسۂ نعمت — ہم صحبت وہم کاسہ ہین معبود سے حضرت

اس کاسہ مین رتبہ ہے یہ پلکون کی ثنا کا
اک ہات نبی کا ہے اور اک ہات خدا کا

اب مومنون کو عالم بالا کی خبر دون — حل عقدۂ مدح سر اقدس کو بھی کردون
گردون کو مین نسبت سر پرنور سے گردون — یہ عرش ہو اور عرش بنے رشک سے گردون

اک قامت احمد ہے اسی فوق جہان پر
خورشید سے اک نیزہ سوا ہوگا سنان پر

گو غنچہ ہے گوش لب سید خوش خو — قرب ختن زلف سے پر نافے کی ہے بو
اور حلقۂ گیسو کہ ہے اک نافۂ آہو — ہے کان کی نکہت سے رگ غنچہ ہر اک مو

نافہ کا شرف غنچہ کو کاکل نے دیا ہے
اور گوش سے نافہ کو یہان غنچہ کیا ہے

خط حسن کی خاطر ہے خزان کا خط فرمان
صرصر سے ہے ایمن یہ چراغ رخ تابان
یان حلقہ خط حسن کو ہے چشم نگہبان
عارض کو کیا خط نے چراغ تہ دامان

گلشن ہے غلط اور غلط ابر بہاری
رخ باغ بہاری ہے یہ خط ابر بہاری

ایک اور مرثیہ مین فرماتے ہین ؎

نام جبین ہے مشرق خورشید ہر امید
ہے صبح صادق اسکی گواہی سے روسپید
یان پھول سرو کو ملین پھل ہو نصیب بید
مہر قبول کے اثر سجدہ سے نوید

اکبر نشان سجدہ جبین پر دکھاتے ہین
یا سر نوشت نیر اکبر دکھاتے ہین

کیا شاہ بیت ابروے اکبر کی ہو ثنا
بیت القصیدہ خم ابروے مصطفیٰ
یکتا مطلع شعر مین ہے یہ مطلع رسا
کیا بیت کھینچی ان سے کرے ماہ نو بھلا

پیش نگہ یہ بیت ہو اٹھارہ سال سے
آتی ہے بوے شیر دہان ہلال سے

تشبیہات و استعارات

مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات اور استعارات ہین، اس مین شبہہ نہین کہ وہ اپنی دقت آفرینی سے ایسے عجیب اور نادر تشبیہات اور استعارات پیدا کرتے ہین جنکی طرف کبھی کسی کا خیال منتقل نہین ہوا ہوگا لیکن اس زور مین وہ اکثر

اس قدر بلند اُڑتے ہین کہ بالکل غائب ہو جاتے ہین مثلاً ؎

شمشیر نے جل تھل جو بھرے قاف سے تا قاف	پریان ہوئین مرغابیان، گرداب بنا قاف
چھپنے کے لیئے خوف سے اس درجہ گھٹا قاف	جو بیچ مین سیمرغ کی منقار کے تھا قاف

کیا جانے کدھر لے گے خزانہ وہ بہا تھا
قارون کو عذابِ ابدی ڈھونڈ رہا تھا

تیغ عباسؑ جو وا مان زرہ مین تھی نہان	یا شبستان مین وہ خوابیدہ تھا مار دو زبان
چمکا وہ ہلال ابروے یوسف کا کنوین سے	یا برق جدا ہو گئی بادل کے دھوئین سے
مدِ نگہ چشم نسیام اوج پر آیا	اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کاک دواتِ ظفر آیا	یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے ظفر آیا
گرمی پہ شررِ تیغ شرردم کے جو آئے	جوہر نے کنوین قعرِ جہنم کے جھکائے
تھی مرغ نگہ پردون مین پر اس نے جلائے	عنقا سے تصور کے کباب اس نے لگائے
ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کیئے پھری	یونس کو جیسے بطن مین مچھلی لیئے پھری
چہرہ سے بنی صفِ لشکر بھی دور کی	بت خانہ سے شباہت ممبر بھی دور کی
کاف شگاف بن کے درون جگر گئی	مانند میم مرگ میان کمر گئی
لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی	مانند پیش ہر جز و کُل سے گذر گئی
رن کی صفون کا خوف سے ستھراؤ ہو گیا	پانی ہوے یہ زہرے کہ چھڑکاؤ ہو گیا
بنی جبین ولب سے حسینؑ و خلیلؑ ہے	سر پہ ہے عرش زیر قدم سلسبیل ہے
نبضین چھٹین شرر کی، سقر کانپنے لگے	شعلے زبان نکال کے خود ہانپنے لگے
نہیب تیغ سے خالی سبھون کے قالب تھے	پیالہ ہاے فلک روغون سے لبالب تھے
گیا جو فوق سے تحت الثرے کو آبِ حسام	بنا خزانۂ قارون خرابۂ حمام

فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام | ہوا رطوبتِ اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد و فور گرا
کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

جوہر ہین طرفہ ہیبت تیغ دلیر ہے | مچھلی کے جال مین یہ مگر کوئی شیر ہے
بادل کی طرح جوہر شمشیر جو چھائے | سائے نے تڑپ کر دُہل رعد بجائے
چار آئینہ نے اور ہی صورت دکھائی ہو | پر آئینہ نہین ہے سند ہم نے پائی ہے
زائل زرہ کی آنکھون سے جو روشنائی ہو | آنکھون نے چار چشمے کی عینک لگائی ہے
ڈر ڈر کے آب تیغ سے سب کوچ کر گئے | غصہ سے ہو کے چین بجبین کچھ ٹھہر گئے
پل بن گئے وہ چین جبین سر اُتر گئے | آک وار مین فرات کے پار اُن کے سر گئے
پر ذوالجناح صاف دُھوین سے نکل گیا | باروت تھا کہ اُڑ کے کنوین سے نکل گیا
تھا طوطی خط پشت لب لعل پر گویا | دیکھو کہ دھوان آتش یاقوت سے نکلا
تھا چاہ ذقن مین جو تخشب کا تجلا | اس چاہ کی کشتی نے تو پانی بھی نہ مانگا

جلوے لب و دندان کے عجب پیش نظر تھے
دروازے پہ یاقوت تھے اور گھر مین گہر تھے

حاشا نہین تجلی ماہ آسمان پر | مچھلی اُچھالتی ہے کلاوہ آسمان پہ
چشم ضیا فشان سے نمود چراغ ہے | پلکین نہ سمجھو ہالۂ دودِ چراغ ہے
پیدا کمر سے کنز جناب الٰہ ہے | یہ بال چشم ناف کا تار نگاہ ہے
پتلی ہے کوہ طور تجلی کبریا | سنتے تھے تل کی اوٹ پہاڑ اب نظر پڑا
جب نازکت پلکین دست نگہ مین نہ دین عصا | موسیٰ کی بھی نگہ نہ ہوا اس چشم تک رسا

اک جلوہ دے یہ چشم جسے اپنے نور کا
وہ خاک کے بھی مول نہ لے سرمہ طور کا

سجنے لگا سلاح وغا پھر وہ پر دغا
یا ماہ آفتاب کو گویا گہن لگا
کی خود نے خودنمائی سے زیب سر جفا
یا وارقد یہ کفر کا بخت سپر چڑھا

اسلام میں جو ڈالے ہیں رخنے یزید نے
ان رخنوں کو کیا زرہ تن پلید نے

پانوں میں پہنے موزہ گمراہی جہان
اور تیغ ہند ہند جگر خوارہ کی زبان
کج فہمی معاویہ کی اس نے لی کمان
فرد سپر تھی نامۂ اعمال شامیان

چار آئنہ وہ زنگ بھرا اس پلید کا
دل شمر و شیث و ابن زیاد و یزید کا

مضمون بندی وخیال آفرینی

میرانیس اور مرزا دبیر میں اصلی مابہ الامتیاز جو چیز ہے وہ خیال بندی اور دقت پسندی ہے، اور یہی چیز مرزا صاحب کے تاج کمال کا طرہ ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مرزا صاحب کی قوت متخیلہ نہایت زبردست ہے۔ وہ اس قدر دور کے استعارات اور تشبیہات ڈھونڈھ کر پیدا کرتے ہیں کہ وہاں تک ان کے حریفوں کا طائر وہم پرواز نہیں کرسکتا۔ راست نما اور دلفریب (لیکن غلط) استدلال جو شاعری کا ایک جزو اعظم ہے، انکے ہان نہایت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ وہ قوت متخیلہ کے زور سے نئے نئے اور عجیب دعوے کرتے ہیں، اور خیالی استدلال سے ثابت کرتے ہیں۔ مبالغہ کے مضامین جو پہلے شعرا باندھ چکے تھے اور یہ ظاہر نظر آتا تھا کہ اب اس کی حد ہوچکی، ان کو وہ اس قدر ترقی دیتے ہیں کہ پہلے مبالغے ان کے مقابلہ میں ہیچ ہوجاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ خیال آفرینی، دقت پسندی، جدت استعارات، اختراع تشبیہات شاعرانہ استدلال، شدت مبالغہ مین ان کا جواب نہین لیکن اس زور کو وہ سنبھال نہین سکتے، اس وجہ سے کہین خامی پیدا ہو جاتی ہے، کہین تعقید اور اغلاق ہو جاتا ہے، تشبیہات کہین پھبتیان بن جاتی ہین اور کہین محض فرضی خیال رہ جاتی ہین۔ تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ جہان ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے معیار پر بھی پورا اُتر جاتا ہے، نہایت بلند رتبہ ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر ہم ان کی ہر قسم کی عمدہ مضمون آفرینی کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

جب[^۱] سرنگون ہوا علم کہکشانِ شب
تیرِ شہاب سے ہوئی خالی کمانِ شب

خورشید کے نشان نے مٹایا نشانِ شب
تانی نہ پھر شعاع قمر نے سنانِ شب

آئی جو صبح زیور جنگی سنوار کے
شب نے زرہ ستارون کی رکھ دی اُتار کے

شمشیر مشرقی جو چڑھی چرخ پر شتاب
تھا بسکہ گرم خنجر بیضائے آفتاب

پھر تیغ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری مین آب

محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا
باغ جہان مین پھول کھلا آفتاب کا

تھی جوش خون کے عارضہ مین مبتلا شفق
کھولی شفق کی صبح تو رنگِ اُفق تھا فق

فصادِ صبح آیا لئے نشتر و طبق
گلرنگ تھا صحیفۂ گردون ورق ورق

خون شفق مین سرخ قضا نے قلم کیا
اور خط و خال روز شہادت رقم کیا

[^۱]: ۱۔ اس کے مقابلہ مین میر انیس کی صبح دیکھو۔

ایضاً

پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی
اور قطع زلف لیلی زہرہ لقب ہوئی
پنہان درازی پر طاؤس شب ہوئی
مجنون صفت قبائے سحر چاک شب ہوئی
فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لئے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لئے

یوسف غریق چاہ سیہ ناگہان ہوا
یونس دہان ماہی شب سے عیان ہوا
یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا
یعنی طلوع نیر مشرق ستان ہوا
فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور ید بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیب دریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکیدہ تھا
یا چہرۂ مسیح کا رنگ پریدہ تھا
یا فاطمہؑ کا نالۂ گردون رسیدہ تھا
کہئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا
امید اہل بیت کا گھر بے چراغ تھا

نکلا افق سے عابد روشن ضمیر صبح
کھولا سپیدی نے جو مصلائے پیر صبح
محراب آسمان ہوئی جلوہ پذیر صبح
ہر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح
کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئنہ سے دور ہو گیا
پھر مشک شب جہان سے کافور ہو گیا
باطل رسالہ شب دیجور ہو گیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامہ مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرون کے نامہ مین

الیضًا

گلگونۂ شفق جو ملا حور صبح نے
گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے
اسپند مشک شب کو کیا نور صبح نے
ٹھنڈے چراغ کر دیے کافور صبح نے
لیلاے شب کی رات کو دولت جو لٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشان صبح
باندھا عمامہ نور کا پہنا کتان صبح
سلطان صبح نے کیا قصد اذان صبح
چرخ چہارمین پہ گیا خطبہ خوان صبح
منہ سب کے سوے قبلۂ امید ہو گئے
سرگرم سجدہ - عیسی و خورشید ہو گئے

آیا جو تیغ روز لیے شاہ نیم روز
باندھے کمر مین خنجر بصفاے کینہ سوز
ماہی شکار شیر سوار و جہان فروز
پھر دیو ہفت سر ہوا صید عقاب روز
مہتاب لشکر شہ خاور مین گھر گیا
ارہ شعاع کا سر انجم پہ پھر گیا

بڑھ کر نقیب نور پکارا سحر سحر
فرمان نور بدر کو پہونچا بدر بدر
ذرون مین نور مہر در آیا قمر قمر
لوٹا سحر نے معدن شبنم گہر گہر
برقع جو اٹھ گیا تھا رخ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبح ملمع نقاب کا

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی اجل جدا
پیرون کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحہ جسم و جان نہین
لو تیغ برق دم کا قدم درمیان نہین

ڈوبی سپر مین گر کے ثنئ چال ڈھال سے
اُٹھ کر زرہ مین آئی شکوہ و جلال سے
پا گھر کے بیچ مین یہ گری سیدھی چال سے
اک جال مین تڑپ کے گئی ایک جال سے

گذری جو چار آئینہ سے مُنہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

کاٹا پلک مین آنکھ کو، پتلی مین نور کو
سینہ مین بغض و کینہ کو دل مین فتور کو
پانؤن مین کجروی کو سرون مین غرور کو
نیت مین معصیت کو طبیعت مین زور کو

ذات اک طرف، مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زبان نہ بان مین یہ کاٹ آئی بات کو

سب گے گلون سے ملتی تھی لیکن رکی ہوئی
جوہر یہ تھا کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی

ولہ

ظرف تنک مین تھی نہ جگہ اس کی آب کی
بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی
دریاے خون تھا تیغ سبک رو کی ناؤ پر
پر یون رواں تھی جیسے کہ کشتی بہاؤ پر

ولہ

اللہ ری شناوری شمشیر آب دار
تیرا وہ جو سے زخم مین گہ وار گاہ پار
دکھلا دیے صفائی کے سب ہات ایک بار
جوہر کا ایک بال بھی ڈوبا نہ زینہار

اِک وجد حُر کو بھی یہ صفا دیکھ کر ہوا
ہات اِک طرف نہ تیغ کا ناخن بھی تر ہوا

جس مورچہ مین لیلی تیغ دو سر گئی
ہر صف نے خاک اُڑائی اِدھر سے اُدھر گئی
چنگے بھلون کو سایہ سے دیوانہ کر گئی
پھر یہ نہا نہا کے لہو مین نکھر گئی

عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حُسن کا
جوبن ٹپک رہا تھا جوانی کے حُسن کا

آگے کبھی بڑھی۔ کبھی پیچھے کو پھر پڑی
سر پر جو لٹ کھڑائی تو شانے پہ گر پڑی

اُٹھی۔ گری۔ بلند ہوئی۔ پست ہوگئی | ولہ | پی پی کے میکشون کا لہو مست ہوگئی

تیرے تنے تو اُسنے کہا دیکھے بھالے ہین | ولہ | بجتی نہ خنجرون سے کہ گودی کے پالے ہین
برسے جو تیر سمجھی کمانون کے نالے ہین | | چمکے جو گرز بولی یہ منہ کے نوالے ہین

ننگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہر پھر کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

بے جرم معرکہ مین وہ خارا شگاف تھی | | لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی

قبضہ تو رہا دست جناب شہ دین مین | ولہ | پھل جا کے لگا شاخ سر گاوزمین مین

اس قہر مجسم پہ اجل نے جو نظر کی | ولہ | مجرا تو فقط کر لیا اور پیچھے کو سرکی
غصہ سے چڑھی بھون جو اُدھر تیغ دو سر کی | | پھرنے لگی پتلی سپر فوج عمر کی

باقی تھا نہ دم خوف سے تیغین یہ گھٹی تھین
تیغین نہ کہو بضعین نیامون کی چھٹی تھین

خود رفتہ تھا ہر تیر یہ رفتار نئی تھی | ولہ | انگڑائی کا لینا بھی کمان بھول گئی تھی

تھی راست گو وہ تیغ یہ روشن جہان تھا | ولہ | جتنا لہو پیا تھا وہ جاری زبان پہ تھا

کٹتے تھے سر نہ تیغ امام عراق سے | ولہ | بت گر رہے تھے خاک پہ کعبہ کے طاق سے

سر کو نہ وصل تیغ سے اصلا دریغ تھا | ولہ | کیا سب کی سرنوشت مین مصرع تیغ تھا

رک رک کے قدم رکھتی تھی ہر سر پہ ادب سے | ولہ | جھک جھک کے مثال شرفا ملتی تھی سب سے

جوہر کے نگہبانون کو بیدار جو پایا | ولہ | زخمون نے بھی اس تیغ کا پانی نہ چرایا

ہوتی تھین صفین آ بسم تیغ سے بیدم | ولہ | پانی جو کھڑے ہوکے پیو ہوتا ہے سن کم
حل کرتی تھی ہر مسئلہ تیغ شہ عالم | | ہے خون نجس اسمین یہ آلودہ تھی ہر دم

	پراس پہ نجاست کا گمان ہو نہین سکتا یعنی کہ نجس آب رواں ہو نہین سکتا	

اللہ رے دماغ اس کا کسی سر پہ نہ بیٹھی		سر ایک طرف گنبد مغفر پہ نہ بیٹھی بالا سے سپر پھولون کے بستر پہ نہ بیٹھی

	یہ بیٹھنا کب تھا اِدھر آئی اُدھر آئی جس سر پہ رکھا پانون زمین پر اُتر آئی	

اسی طرح گھوڑے کی سرعت، فوج کی ہل چل، آمد کی دھوم، وغیرہ وغیرہ مضامین مین سیکڑون ہزارون نئی تشبیہین، استعارات اور باریکیان پیدا کی ہین ہمنے اس خیال سے صرف نمونہ پر اکتفا کیا کہ جو شخص ایک تلوار کے متعلق اسقدر بیشمار مضامین کا مینہ برسا سکتا ہے اسکی قوت متخیلہ کی کیا حد ہو سکتی ہے۔

بلاغت

یہ وہ چیز ہے جہان انیس و دبیر کی شاعری کی سرحدین بالکل الگ ہو جاتی ہین، مرزا صاحب کی شاعری مین بالفرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہون، لیکن بلاغت کا تو شائبہ نہین پایا جاتا۔

تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ ہر چیز کی بلاغت الگ ہے مضمون کی الگ قصہ کی الگ قصیدہ کی الگ، شعر کی الگ لیکن مرزا صاحب کے کسی قسم کے کلام مین یہ وصف پایا نہین جاتا۔ وہ اگر کسی واقعہ کا خاکہ تیار کرتے ہین تو اس قسم کی باتین بیان کرتے ہین جو خود شہادت دیتی ہین کہ واقعہ وجود مین نہین آسکتا تھا۔ نوحہ و غم۔ فخر وادعا۔ طنز و تشنیع ہجو و بدگوئی۔ سوال و جواب۔ گلہ و شکایت، غرض کسی مضمون کو وہ مقتضائے حال کے

موافق نہین لکھ سکتے ۔

ہم چند مثالین نمونہ کے طور پر لکھتے ہین ۔

مثال ۱۔ ایک مرثیہ مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر حضرت شہربانوؑ کا جو نوحہ لکھا ہے اسمین لکھتے ہین ؎

اکبرؑ سے مین گذری مرے والی کو لے آؤ	تم جانو جہان سے شہ عالی کو لے آؤ

اور تم جانو جہان سے" اس محاورہ کے ابتذال سے قطع نظر کرکے یہ امر کسقدر خلاف مقتضائے حال کے ہے کہ کوئی شریف عورت یہ کہے کہ مین اپنے بیٹے سے درگذری میرے شوہر کو جہان سے ممکن ہو پیدا کرو ۔

مثال ۲۔

میرے کرتے کا گریبان بھی کرو چاک چچا	ناگہان بالی سکینہؑ نے مچل کر یہ کہا
روٹھ جاؤنگی نہ مانوگے جو میرا کہنا	خوب ملبوس یہ ہے پہنین گے ہم بھی ایسا

آپ جب خیمہ مین آئین گے تو چھپ جاؤنگی
پھر مجھے گود مین لوگے تو نہ مین آؤنگی ؛

اور کہا دل سے کہ اسکا بھی کرو دنہ سوال	روئے نادان کی تقریر پہ عباسؑ کمال
چاک اُس کا بھی گریبان کیا باحزن وملال	بے پدر ہوگی کوئی آن مین یہ نیک خصال

پیار جو آگیا بنت شہ دین کے اوپر
بوسے دے دے کے ملی خاک جبین کے اوپر

واقعہ یہ باندھا ہے کہ حضرت عباسؑ جب میدان مین جانے لگے تو اپنے بیٹے کا گریبان چاک کردیا کہ یتیمی کی علامت ہے ، یہ دیکھ کر سکینہؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی ہے نے کہا کہ میرے کرتہ کا گریبان بھی چاک کردو مجھکو بھی یہ وضع اچھی معلوم ہوتی

ہے، حضرت عباسؑ نے اس خیال سے کہ آخر حضرت امام حسینؑ بھی کچھ دیر میں شہید ہو نگے اور حضرت سکینہ بھی یتیم ہو جائینگی، اس لئے اِن کا گریبان بھی چاک کر دیا حضرت عباسؑ کو امام علیہ السلام سے جو عشقیہ محبت تھی اور جس کا اظہار ہر جگہ مرزا صاحب نے بھی کیا ہے اسکے لحاظ سے یہ امر نہایت خلاف عقل اور خلاف عادت ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو قبل از وقت شہید فرض کر لیں اور اس بنا بران کے بچہ کو یتیم فرض کر کے اس کا گریبان چاک کر دیں۔

مثال ۳۔

یہ کہتی تھی کہ آئی قرین بنت مرتضےؑ زینبؑ پکاری بیٹھو ادب میرا ہو چکا	تسلیم کر کے بانوؑ نے سر کو جھکا لیا جسکی نہ بات پوچھئے تعظیم اس کی کیا

سب جانتے ہیں بنت جناب امیرؑ ہوں
گھر میں تمھارے رہتی ہوں اس سے حقیر ہوں

حضرت زینبؑ کو اس بات کی شکایت ہے کہ علی اکبرؑ کو شہر بانوؑ نے میری بغیر اطلاع کے لڑائی میں جانے کی کیوں اجازت دی۔ اس بنا پر وہ حضرت شہر بانوؑ سے کہتی ہیں کہ جب میری بات نہیں پوچھی جاتی تو تعظیم سے کیا فائدہ۔

لیکن اس مقصد کے اظہار کے لئے مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ کسقدر سفیہانہ اور عامیانہ ہے، یہ خیال کہ چونکہ میں اپنا گھر چھوڑ کر تمھارے گھر میں رہتی ہوں اسلئے تم لوگ مجھکو حقیر سمجھتے ہو، نہایت پست اور مبتذل خیال ہے، جو ہرگز حضرت زینبؑ کی متانت اور وقار کے شایان نہیں۔

مثال ۴۔

محبوب ہوں خدائے ذوی الاحترام کا	نانا ہوں میں حسین علیہ السلام کا

یہ شعر جناب رسولؐ خدا کی زبان سے ادا کیا ہے، لیکن مرزا صاحب کو یہ خیال نہین رہا کہ کیا آنحضرتؐ بھی امام حسین علیہ السلام کا نام علیہ السلام کہہ کر لیتے تھے، ؎

مثال ۵ -

یہ بات سن کے بنّری نے گھونگھٹ الٹ لیا — عباسؑ کو، حسینؑ کو، اکبرؑ کو، دی صدا
صدقہ مین تم پہ یان سے سرک جاؤ اک ذرا — تم سب کے آگے روتے ہوئے آئیگی حیا

ماتم کا ہے ہجوم دلِ پاش پاش پر
جی بھر کے رو لے یہ بنّے قاسمؑ کی لاش پر

سرکے وہان سے اکبرؑ و عباسؑ و شاہ دین — لاشہ کے گرد پھرنے لگی وہ دلھن حزین
زینبؑ سے پوچھنے یہ لگی پھر وہ مہ جبین — اب اختیار دل پہ مرے مطلقاً نہین

نوشاہ ایک رات کے جو قتل ہوتے ہین
بتلاؤ اے پھوپھی انھین کیا کہہ کے روتے ہین

یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مرزا صاحب اور دیگر تمام مرثیہ گویون نے اہل حرم کی عادات اور مراسم ہندوستان کے شرفا کی مستورات کے مطابق فرض کئے ہین، چنانچہ عروسی، شادی، اور میت کے متعلق جس قسم کے مراسم و عادات یہان ہین وہی تمام مرثیون مین مذکور ہین - اس بنا پر حضرت کبریٰؑ کا اپنے باپ، چچا، اور بھائی سے یہ کہنا کہ تم لوگ یہان سے سرک جاؤ مین اپنے شوہر پر نوحہ کرنا چاہتی ہون کسقدر بے حجابی اور بے شرمی ہے طرہ یہ کہ یہ بھی کہتی ہین کہ تم سب کے آگے روتے ہوئے شرم آئیگی لیکن یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی -
مرزا صاحب نے اسی واقعہ کو ایک اور مرثیہ مین لکھا ہے اور وہان تو حد کردی ہے فرماتے ہین ؎

ناگاہ شہ نے لاش اُٹھائی بصد بکا — کبریٰؑ نے ہات باندھ کے تب شاہ سے کہا

ہم کچھ کہیں جو مانیے اے شاہ کربلا
احسان ہو گا لاش کو رکھ دیجیے ذرا

بالیں پہ پیٹیں سر پہ ذرا خاک ڈال لیں
ہم بھی کچھ اپنے دل کی تمنا نکال لیں

میر انیس نے اسی واقعہ کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
اس بے نصیب رانڈ کو دے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی یوں ہمیں اس کی نہ تھی خبر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہا کو اک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی، چچا کا پسر بھی ہے

اس بلاغت کو دیکھو کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ کا بھی یہ کہنا کہ اب شرم کیا ہے، دولہ کو دیکھ لے، ایک گونہ رسمی حیا کے خلاف تھا اس لیئے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا کیے کہ وہ برائے نام دولہا ہے، ورنہ چچا کا بیٹا اور بھائی ہے ؎

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشکبار
پٹی پہ سر کے غش ہوئی بانوؑ ے دلفگار
چادر سپید اوڑھا کے دلھن کو بحال زار
گودی میں لائی زینبؑ غمگین و سوگوار

چلائی ماں یہ گر کے تن پاش پاش پر
قاسمؑ بنے اٹھو دلھن آئی ہے لاش پر

ہے ہے بنے قاسمؑ کا ہوا شور جو در پر
بانو نے کہا لٹ گئی لوگو میری دختر
فرزند کے لاشہ سے لپٹنے لگی مادر
سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر

پھر کون ہے ہے بنت علیؑ جب نکل آئے
خیمے میں دولھن رہ گئی اور سب نکل آئے

مثال ۶ -

کہا سجادؑ سے اکبرؑ نے یہ اس دم رو رو
بھائی صاحب مرے دولہ کو ابھی دفن کرو
تھامے سجادؑ ور میں نبون کھول کے اپنے سر کو
کہا اکبرؑ سے یہ سجادؑ حزین نے کہ چلو
ٹکڑے لاشوں کے بہم بادل غمناک کرین
قاسمؑ ابن حسنؑ کو بھی تہ خاک کرین

ایک رات کی بیاہی ہوئی عورت کا، اپنے بھائی سے یہ کہنا کہ میرے دولہ کو بھی دفن کرو، کسقدر خلاف عادت ہے۔

مثال ۷۔ حضرت سکینہؑ کو قیدخانہ میں غش آگیا ہے' ان کی ماں حضرت شہربانوؑ کو خیال ہوا کہ مرگئیں' انھوں نے نوحہ شروع کیا۔ حضرت زینبؑ ان کو سمجھاتی ہیں۔ اس واقعہ کو مرزا صاحب اس طرح ادا کرتے ہیں ؎

زینبؑ نے رو کے بانوؑ سے مغموم ہو کہا
بے آس ہو نہ بھابھی ہے غش میں یہ مہ لقا
اور مر گئی تو خیر جو اللہ کی رضا
اب اسکے رفع غش کی یہ اسوقت ہے دوا
ہے عاشق حسینؑ یہ پیاری حسینؑ کی
اب غل کرو کہ آئی سواری حسینؑ کی

تسکین اور تسلی دینے میں یہ کہنا کہ "خیر مرگئی تو کیا کروگی' جو اللہ کی رضا" کسقدر ناموزون ہے اور خلاف آدمیت ہے۔

یہاں ہم نے اجمالاً صرف چند مثالیں لکھدیں انکے بعد متحد المضمون مرثیوں کا جو عنوان ہے اس سے تفصیلاً معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب بلاغت کی راہوں سے کس قدر ناآشنا ہیں۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے متحد المضمون مرثیے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کا صحیح تر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دونون صاحبون کے ہم مضمون مرثیون کا مقابلہ کیا جائے، چونکہ مرثیہ کا موضوع صرف چند معین واقعات ہین اسلیے اگرچہ دونون صاحبون کا انداز شاعری بالکل الگ الگ ہے، تاہم واقعات و مضامین مین ہر جگہ اشتراک پیدا ہو جاتا ہے، اسکے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ دونون حریفون نے اکثر مرثیے اور بند، اور متفرق اشعار ایک دوسرے کے مقابلہ مین لکھے ہین، یہان تک کہ بعض بعض بندون مین مضمون، ردیف، اور قافیے تک مشترک ہین، افسوس ہے کہ ان موقعون پر یہ پتہ نہ چل سکا کہ ابتدا کس نے کی اور جواب کس نے لکھا، تاہم بعض بعض قرائن سے (جیسا کہ ہم دیباچہ مین لکھ آئے ہین) ثابت ہوتا ہے کہ مرزا دبیر صاحب زیادہ تر مقابلہ کا قصد کرتے تھے، مثلاً ایک مرثیہ مین میر انیس نے فخریہ کے ساتھ زمانہ کی ناقدری کی شکایت کی تھی، اس کے ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہین ہے		اس عہد مین سب کچھ ہے پر انصاف نہین ہے

اسی بحر مین مرزا صاحب کا بھی مرثیہ ہے، اس مین بھی فخریہ ہے اور ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

دل صاف ہو کس طرح کہ انصاف نہین ہے		انصاف ہو کس طرح کہ دل صاف نہین ہے

دونون شعرون کو دیکھ کر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس نے کس کا جواب لکھا ہے۔

میر انیس اکثر شعرون مین مرزا دبیر پر سرقہ اور خوشہ چینی کی چوٹ کرتے ہین مثلاً ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار		خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو

ع پیاسو! پیو سبیل ہے نذر حسینؑ کی ؎

ممکن نہین دزدان معانی سے نجات	سچ ہے کہ کس سے کب شکر بچتی ہے
بھلا گرد دیباچے اس مین کیا حاصل	اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو

ع مضمون انیس کا نہ چرہ اُترا

لیکن مرزا دبیر نے میر انیس پر کہین سرقہ کی تعریض نہین کی ہے بلکہ صرف اپنی برات ظاہر کی ہے مثلاً ؎

واللہ بری ہون سرقہ مضمون غیر سے	ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے
شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون

بہرحال کم سے کم ہمکو یہ فرض کر کے کہ دونون مین سے کوئی سرقہ کا مجرم نہین، صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کو کس نے خوبی سے ادا کیا ہے، چنانچہ ہم دونون کے متحد المضمون مرثیے اور اشعار ذیل مین درج کرتے ہین۔

پردہ کا اہتمام

انیس

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار	روتے ہوے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
فراشون کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار	پردہ کی قناتون سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہین رسولؐ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے	آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے	دیتے رہو آواز جہانتک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہین
افلاک نے آنکھون کو ملک بند کیے ہین

دونون مصرعون سے فرزی کا سے اچھا مصرع ایک ادائی کو خوش بیان کر دیا

دبیر

دربان عصا اٹھا کے بڑھے جانب یسار	داہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار
آ آ کے در پہ لونڈیاں چلائیں ایک بار	آئے ادھر نہ اب کوئی جائے نہ ہوشیار

آواز غیر سن کے وہ اندیشہ کرتی ہے
آہستہ بولو دختر زہرا اُترتی ہے

عفت کے جتنے مرتبے خیر النسا نے پائے	وہ ماں کے بعد دختر مشکل کشا نے پائے
ہاں ہاں مسافرو نہ کوئی غل مچانے پائے	ناقہ پہ بیٹھ کر نہ ادھر کوئی آنے پائے

حسن ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جس کا کہ قامت بلند ہو

دونون بزرگون نے عورتون کے پردہ کے اہتمام کا سمان باندھا ہے، لیکن میر صاحب نے اس مضمون کو اس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے اور اس طرح واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے کہ اسکے سامنے مرزا صاحب کے اشعار کا پیش کرنا بھی، میر صاحب کی ناقدردانی ہے، روانی، شستگی، خوبی محاورہ چستی بندش کے علاوہ بلاغت کے نکتون پر لحاظ کرو، میر صاحب نے پردہ کے اہتمام اور لوگون سے ہٹانے اور روکنے کو حضرت عباس ع کی طرف منسوب کیا ہے جس سے حضرت زینب ع کی عظمت وشان کے اظہار کے علاوہ اصلی واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے، کیونکہ تمام معزز خاندانون مین پردہ کا اہتمام خود خاندان کے ممبر کیا کرتے ہین، بخلاف اسکے مرزا صاحب نے یہ کام بالکل دربانون، نقیبون اور لونڈیون کے سپرد کیا ہے، جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو گھر مین کوئی مرد تھا ہی نہین یا تھا تو اسکو عورتون کی چندان پروا نہ تھی، پردہ کے اہتمام مین نقیبون کا کیا کام ہے، لونڈیون کے غل مچانے

سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب اور شائستگی نہیں پائی جاتی۔

ذیل کے یہ دونوں مصرعے بالکل ہم مضمون ہیں لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

انیس ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے،

دبیر ناقہ پہ بیٹھکر نہ ادھر کوئی آنے پائے۔

صغریٰ کی آزردگی

دبیر

صغرا نے کہا صاحبو کیا کرتے ہو گفتار شاید کہ سفر ہی میں شفا دے مجھے غفار	اک بات پکڑ لی کہ یہ بیمار ہے بیمار یاں کون خبر لے گا مری یہ در و دیوار

اتنی بھی تو طاقت نہیں جو اٹھ کے کھڑی ہوں
اے لوگو میں کیا آپ سے بیمار پڑی ہوں

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، تمام اہل حرم کو ساتھ لئے جاتے ہیں لیکن حضرت صغرا کو بیمار ہونے کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہیں، اس پر وہ گریہ و زاری کرتی ہیں حضرت امام حسینؑ اور گھر کی عورتیں سمجھاتی ہیں کہ تم بیمار ہو، سفر کے مصائب برداشت نہیں کر سکتی ہو صغرا جواب دیتی ہیں۔ اسی مضمون کو میر انیس صاحب ادا کرتے ہیں ؎

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار زندہ ہوں پہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار	ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار کیوں جاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

مرزا صاحب نے بھی عمدگی سے اس واقعہ کو ادا کیا ہے، لیکن میر صاحب کے طرزِ بیان میں جو حسرت، رنج اور بیکسی ہے، وہ مرزا صاحب کے ہاں نہیں، "اک بات پکڑ لی" عامیانہ اور سوقیانہ طرزِ گفتگو ہے، ٹیپ کے دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں، اور یہ کہنا کہ مجھکو اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں، صغراؑ کی خواہش پر ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے، کیونکہ جب اُٹھنے کی طاقت نہیں تو وہ سفر کیونکر کر سکتی ہیں۔

اسی بنا پر میر انیس نے بہ مان یہ واقعہ باندھا ہے، صغراؑ کی زبان سے یہ کہا ہے ؎

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت — تپ کی بھی ہے شدت میں کمی روز سے خفت
بستر سے میں خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت — پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہیں ہے

دیکھو حضرت صغراؑ کس کس طرح سے بیماری کی تخفیف اور قریب الصحۃ ہونے کو ثابت کرتی ہیں —

صغراؑ سے خطاب

دبیر

پردہ کو اُٹھا کر یہ کہا بانوؑ نے رو رو — صدقے گئی فال ایسی تو منہ سے نہ نکالو
سب جیتے ہیں بیکس نہ ابھی آپ کو سمجھو — شبیرؑ ہو - دنیا ہو - ترا کنبہ ہو - تم ہو
کب میں نے کہا یہ نہیں صغراؑ ہے تمہارا
لو شوق سے دیکھو یہ برادر ہے تمہارا
پھر ہاتھوں پہ صغراؑ کو رکھا کر کے یہ زاری — لٹکا دیے ہاتھ اس نے ہمک کر کئی باری

ماں نے کہا گود میں یہ آتے ہیں واری
صغرا کی طرف ہات اُٹھا کر وہ پکاری

پھر جیتی ملوں یا نہ ملوں تجھ سے بلا لوں
آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لوں

صغرا کا رخصت کے وقت علی اصغر کو حسرت اور پیار سے دیکھنا نہایت دردانگیز سماں ہے، اور اکثر مرثیوں میں یہ سماں نہایت موثر طریقہ سے دکھایا جاتا ہے لیکن مرزا صاحب ایسے دردانگیز واقعہ کو بھی تاثیر کا رنگ نہ دے سکے۔ دیکھو میر صاحب اسی بات کو کس لہجہ سے ادا کرتے ہیں ؎

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
وہ کانپتی ہاتوں کو اُٹھا کر یہ پکاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان سے گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی
تپ ہے تمھیں چھاتی سے بھی لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی
رکھ لوں تمھیں ماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی

بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو سو تمھیں طاقت گفتار نہیں ہے

اس واقعہ کا نہایت دردانگیز پہلو، صغرا کا خود اصغر سے مخاطب ہونا اور جوش محبت

ہین چھ مہینے کے بچہ سے اپنا دردِ دل کہنا تھا، مرزا صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگالون ۔ میر صاحب نے پورا دردِ دل کہا اور کس موثر طریقہ سے کہا ۔ مرزا صاحب کا مصرع ع اصغر کی طرف ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری ' میر صاحب کے اس مصرع کے جواب مین ہے ع وہ کانپتی ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری '

لیکن دونون مین کوئی نسبت نہین ' میر صاحب کے ہان ہاتھ کے ساتھ کانپنے کی قید نے کسقدر بلاغت پیدا کر دی ہے ۔ ذیل کے ان دونون مصرعون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہے ۔

ع آ آمرے ننھے سے مسافر ترے واری '

ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگالون ' ''چھوٹا مسافر'' مرزا صاحب کا ایجاد ہے ۔

اعلیٰ واد دینے کا مقابلہ

کچھ خار مغیلان گل تر ہو نہین جاتا ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہین جاتا	قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہین جاتا مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہین جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰؑ نہین کہتے
ہر ہات کو عاقل ید بیضا نہین کہتے

میر انیس کا یہ مشہور بند ہے ، مرزا صاحب نے اسکے جواب مین بڑی کوشش کی ' مختلف بحرین اختیار کین ، بہت سی نئی نئی تشبیہین ڈھونڈھین لیکن وہ بات پیدا نہو سکی ' مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

احکام نیر پلید اور ہین اور اپنے امور اور نمرود کی آگ اور ہے اور آتش طور اور	باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور زنبور کا غل اور ہے ، الحان زبور اور

سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے ملک کیا
بت کیا ہے خدا کیا ہے زمین کیا ہے فلک کیا

سامان سے کوئی صاحب ایمان نہین ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہین ہوتا
ہر اہل عصا موسی عمران نہین ہوتا
آئینہ گر اسکندر دوران نہین ہوتا

لاکھ اوج ہو پشّہ کا ہما ہو نہین جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہین جاتا

یہ تشبیہات کافی نہ ہوئین تو ایک اور مرثیہ مین بہت سی تشبیہین جمع کین ؎

ہر سبز پوش خضرؑ نہین عز و جاہ مین
یوسفؑ نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ مین
سر سبز حیدرؑ ہین جناب اله مین
دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ مین

کوئی یتیم فاطمہؑ سا خوش گہر نہین
ہر اک یتیم در یتیم اے عمر نہین

چاہے زرہ بنا کے جو داؤدؑ کا وقار
ہر بخیہ گر نہ ہو کبھی ادریسؑ نامدار
واللہ جعل ساز ہے کیا اس کا اعتبار
ہر ناخدا کو نوحؑ کہے گا نہ ہوشیار

کیا جاہلون کے عیش کا سامان ہو گیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمانؑ ہو گیا

حُر کا واقعہ حُر پہلے یزید کی طرف تھا، لیکن خدا نے ہدایت دی، اور معرکۂ جنگ شروع ہونے سے پہلے وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج مین چلا آیا، اُس کا آنا، معافی کا خواستگار ہونا، لڑنے کی اجازت طلب کرنا، زخمی ہو کر گرنا، امام علیہ السلام کا اُسکے پاس جانا، اُس کا انتقال کرنا، یہ واقعات اکثر مرثیون مین دونون نے لکھے ہین، لیکن ایک مرثیہ مین بحر اور اکثر قافیے تک مشترک ہین، اِن دونون مرثیون کے

مقابلہ کرنے سے، دونوں حریفوں کے مدارج کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے ؎

مرزا دبیر

جھکے یہ گھوڑوں پہ غازی ہوئے دونوں اسوار
اور چلے شاہ کی جانب کو بڑھا کر رہوار
پہنچے نزدیک شہ دین تو پکارا جرّار
بخش دے جرم شہنشاہِ نجفؑ کے دلدار
روے الطاف کو ہم سے نہ پھرانا آقا
نہیں اس در کے سوا کوئی ٹھکانا آقا

میر انیس

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
الغیاث اے جگر و جان رسولؐ مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کے نہیں جسکے شمار
عفو کر، عفو کر اے چشمۂ فیض غفار
پار دریاے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے میں بہشتی ہو جائے

مرزا دبیر

واسطہ احمدؐ و زہراؑ و حسنؑ کا ای شاہ
نذر سر لایا ہوں، مقبول ہو اے عرش پناہ
بخش دو، عفو کرو، بندۂ عاصی کا گناہ
اور بتا دو میرے بیٹے کو بھی فردوس کی راہ
حُر عوض آپ کے مقتول جفا ہووے گا
اور اکبرؑ پہ مرا لال فدا ہووے گا

میر انیس

کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں ای شاہنشاہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ
مدد اے نوح غریباں مرا بیڑا ہے تباہ
شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
ابر رحمت کی طرف جا کے یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامن دولت کا پتہ دیتے ہیں

دبیر

پیشوائی کو چلے حُر کے شہنشاہ زمن — ہاتھ کھولے پسر عقدہ کشا نے فوراً
کانپ کر پائے مبارک پہ جھکا سر افگن — سر اٹھا کر کیا سرور نے یہ بھائی سے سخن

گو سرِ حُر پہ ہے خالق کے کرم کا سایہ
آن کر تم بھی کرو اس پہ علم کا سایہ

انیس

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم — جوش میں آگیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہ امم — حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم

شکر کر سبطِ رسول ثقلین آتے ہیں
اے برادر تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ — دوڑ کر چوم لئے پاسے شہ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر — میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

دبیر

حُر نے فرزندِ پیمبرؐ سے یہ اُس وقت کہا — سایۂ دامن رایت تو ہے ظلِ طوبیٰ
آپ کی بندہ نوازی پہ فدا اے آقا — رُخ کیا جب سے ادھر کا یہ ہے الطافِ خدا

مرحبا فاطمہ زہرا مجھے فرماتی ہیں
سایہ چادر کا مرے سر پہ کئے آتی ہیں

انیس

انیس حُر پکارا "بابی انت و امی" یا شاہ — قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین مل جائے یہ راہ — سب ہے صدقہ انھین قدمونکا خدا ہے آگاہ
مہر ذرہ پہ جو ہو، نیّر تابان ہوجائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہوجائے

دبیر عرض کی پھر شہ والا سے بجوش رقت — کرتے ہین دشمن دین جنگ پہ اس دم سبقت
عفو تقصیر ہوئی اب ہو عنایت رخصت — دیکھنے کی نہین بندے مین ذرا طاقت
گر رضا پائے تو سر اپنا کٹائے فدوی
زخم شمشیر و سنان سینہ پہ کھائے فدوی

انیس لائے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امامؑ — بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام — عرض کی حُر نے کمر خلد مین کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی امنگ — ایک ہی وار مین دونون کو کرونگا چورنگ
لشکر شام سے پیہم چلے آتے ہین خدنگ — شاہزادونکی سپر ہون کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہین ایسا نہ ہو بچہ کوئی بیجان ہوجائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربان ہوجائے

دبیر پسر حُر کے معرف علی اکبرؑ تھے کہ واہ — حُر کو دیتے تھے صدا شاہ کہ سبحان اللہ
دونون تسلیم کنان صرف دعا تھے ذی جاہ — مژدۂ گلشن جنت انھین پہونچا ناگاہ
دونون ایک مرتبہ بیزار ہوے جینے سے
نیزۂ ظلم و ستم پار ہوے سینے سے

انیس

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ نہ عزت ہے بجا
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابنِ حسن واہ حُر غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے سبحان اللہ

اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

دبیر

اُس گھڑی فاطمہؑ کے لال سے حُر نے یہ کہا
آپ کے صدقے سے یہ رتبہ ہوا خادم کا
شیرِ حق میرے سرھانے ہیں کھڑے اے مولا
جام کوثر لئے کہتے ہیں بصد لطف و عطا

لے اسے پی کہ بہت تشنہ دہن ہے اے حُر
جلد آ دیکھ یہ جنت کا چمن ہے اے حُر

ان سے میں عرض یہ کرتا ہوں کہ اے شاہ زمان
پسرِ فاطمہؑ پیاسا ہے مجھے پیاس کہاں
صبح سے بھوکے ہیں بیہوش ہے اصغرؑ نادان
تشنہ لب مر گئی ہونٹوں سے علی اکبر سا جوان

پیاسا ہوں اس سے بھی پانی نہ پیوں گا مولا
جام کوثر نہیں آقا سے پیوں گا مولا

انیس

نیم وا چشم سے حُر نے رخِ مولا دیکھا
زیرِ سر زانوئے شبیرؑ کا تکیہ دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُرِ جری کیا دیکھا

عرض کی حسنِ رخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھکو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں اللہ اللہ
لو برآمد ہوئے شبیرؑ بھی پدر کے ہمراہ

ننگے سر احمدِ مختار کی پیاری آئی
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی ۔

دبیر

مرگئے عباسؑ دلاور کہ پکارے سرور — روک لو تم کہ سکینہ چلی آتی ہے ادھر

گئے عباسؑ ادھر یاں ہوا برپا محشر — حر بھی فرزند بھی حر کا ہوا گویا رو کر

غش پہ غش تشنہ دہانی کے سبب آتے ہیں

الفراق اب ہمیں خلد کو ہم جاتے ہیں

انیس

قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلۂ دین — پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم باز پسین

کوچ نزدیک ہوا اے بادشہ عرش نشین — لیجئے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین

بات بھی اب تو زبان سے نہیں کیجاتی ہے

کچھ اڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی — آیا ماتھے پہ عرق چہرہ پہ زردی چھائی

شہ نے فرمایا کہ ہیں چھوڑ چلے کیوں بھائی — چل بسے حر جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف

پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہ والا کی طرف

میرانیس کے اشعار میں بلاغت کی جو باریکیاں اور دقائق ہیں، ان سے ہم اس موقع پر بحث نہیں کرتے یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ حسن بندش سے کلام میں کسقدر صفائی۔ برجستگی اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔

قیدخانہ کے واقعات قیدخانہ کا حال اور ہند کے آنے کا واقعہ دونوں نے لکھا ہے اور ایک بحر میں لکھا ہے میرانیس کا مطلع ہے مصرع جب قیدیوں کو خانۂ زندان میں شب ہوئی۔ اور مرزا صاحب کا مطلع ہے مصرع جب قیدیوں کو راہ میں ماہ صفر ہوا۔

میرانیس نے تفصیلی حالات نہایت مؤثر پیرایہ میں لکھے ہیں۔ مرزا صاحب کے ہاں صرف ۳۶ بند ہیں۔ لیکن بعض مضامین مشترک ہیں۔ وہ ملاحظہ ہوں

دبیر

راوی نے حال خانۂ زندان ہے یون لکھا
وحشت مین مثل قبر اور آفت مین کربلا
آئی جو شب اسیرون کو صدمہ بڑا ہوا
نہ فرش تھا نہ سایہ تھا۔ نہ پانی نہ غذا
شمعون کی روشنی نہ چراغون کی روشنی
بس ماتم حسینؑ کے داغون کی روشنی

انیس

کیجیے شکستگی خرابہ کا کیا بیان
ثابت نہ تھین چھتین نہ در اور نہ سائبان
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکان
وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الامان
ظلمت سرائے گور تھی۔ زندان کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا

دبیر

ناگاہ مشعلون کی ہوئی روشنی نمود
اور غل ہوا کہ ہند کا زندان مین ہے ورود
زینبؑ کے دل پہ صدمہ سبھون سے ہوا فزود
غربت سے کانپنے لگی وہ خاصۂ ودود
سر زانوون کے بیچ مین شرما کے دھر لیا
اور بیڑیون کو خاک مین پوشیدہ کر لیا

بچون سے پھر یہ بولی وہ آفت کی مبتلا
اب نام پوچھیو نہ مرا تم پہ مین فدا
ناگاہ آئی قیدیون مین ہند با وفا
زنجیر پہنے دیکھ کے عابدؑ کو دی ندا
بیداد اہل ظلم سے یارب دہائی ہے
اس ناتوان کو آہ یہ بیڑی پنھائی ہے

انیس

نکلی محل سرا سے یہ کہکر وہ خوش سیر
کنیزین ساتھ ساتھ چند خواصین بھی نوحہ گر
پہنچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر
رنگ اڑگیا یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر
اپنا نہین خیال، بزرگون کا پاس ہے
ہے ہے کہان چھپون وہ مری روشناس ہے

بے شرم کی جگہ کہ یہیں ہوں خواہر امامؑ — غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
ہم ہیں فقیر ہم ہیں امیروں کا کیا ہے کام — لوگو بتا نہ دیجیو کہیں اس کو میرا نام

پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینبؑ کدھر گئی
کہہ دیجیو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

دبیر زینبؑ کو بھی سکوت کا یارا نہ پھر رہا — بولے نہ ان سے پوچھ یہ زینبؑ کا ماجرا
کیا جانیے کہ بعد حسینؑ اس پہ کیا ہوا — قدموں پہ ہند گر پڑی پہچان کر صدا

رو کر کہا قسم تجھے رب قدیر کی
زینبؑ تمہیں ہو بیٹی جناب امیرؑ کی

انیس یہ سن کے ہند رونے لگی با اشک و آہ — پھر غور کرکے روئے حضرت زینبؑ پہ کی نگاہ
منہ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ — بیساختہ کہا کہ زہے قدرت الٰہ

ہرگز تمہارا منہ نہیں پہچانے کے قابل تباہ ہے
زینبؑ تمہیں ہو خالق اکبر گواہ ہے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ میں عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہوگی، لیکن ہر کلیہ میں مستثنیٰ ہوتا ہے، بعض موقعوں پر مرزا دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے میر انیس سے نہیں ہو سکا، چنانچہ ذیل کی مثال سے اسکی تصدیق ہوگی۔

حضرت علی اصغر کے لئے پانی مانگنا واقعات کربلا میں یہ واقعہ نہایت درد انگیز ہے کہ تمام اعزہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ششماہہ بچے (علی اصغرؑ) کو دشمنوں کے سامنے لیجا کر اس بات کے ملتجی ہوئے کہ یہ بچہ پیاس سے مرتا ہے، اس کے گلے میں پانی کی ایک بوند ٹپکا دو، اس واقعہ کو میر ضمیر سے لیکر آج تک سینکڑوں شاعروں نے مختلف پیرایوں میں ادا کیا جاتا ہے، میر انیس صاحب نے مختلف مرثیوں میں یہ واقعہ لکھا ہے، اور ہر جگہ نیا پہلو اختیار کیا ہے

ایک مرثیہ مین جو سب سے بہتر ہے فرماتے ہین ؎

بولے دکھا کے بچے کو شاہ فلک سریر
مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودک صغیر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر
مہمان ہے کوئی آن کا ہونٹون پہ جان ہے
اس کا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

برپا ہے اہل بیت محمدؐ مین شور و شین
در پر پھوپھی بلکتی ہے ماں کر رہی ہے بین
آنکھین پھرائے دیتا ہے اب تو یہ نور عین
لایا ہے اس عطش مین ترے پاس اب حسینؑ
تجھکو قسم ہے روح رسالت مآبؐ کی
ٹپکا دے اس کے حلق مین اک بوند آب کی

لیکن مرزا دبیر صاحب نے اس واقعہ کے بیان مین جو بلاغت صرف کی ہے اور جو درد انگیز سمان دکھایا ہے کسی سے آج تک نہ ہو سکا، فرماتے ہین ؎

دبیرؔ
ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفیٰؐ
لے تو چلا ہون فوج عمر سے کہون گا کیا
نہ مانگنا ہی آتا ہے مجھ کو نہ التجا
منت بھی گر کرونگا تو کیا دینگے وہ بھلا
پانی کے واسطے نہ سنینگے عدو مری
پیاسے کی جان جائے گی اور آبرو مری

پہونچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے
چاہا کہین سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے
چادر پسر کے چہرہ سے سرکا کے رہ گئے
آنکھین جھکا کے بولے کہ یہ ہمکو لائے ہین
اصغرؑ تمھارے پاس غرض لے کے آئے ہین

گر مین بقول عمر و ستمگر ہون گناہگار
یہ تو نہین کسی کے بھی آگے قصور وار

ششماہہ بے زبان، نبی زادہ، شیر خوار — ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہی بیقرار

سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

یہ کون بے زبان ہے تمھیں کچھ خیال ہے — در نجف ہے بانوئے بیکس کا لال ہے
لو مان لو تمھیں قسم ذوالجلال ہے — یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے

پوتا علیؑ کا تم سے طلبگار آب ہے
دیدو کہ اسمیں ماموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر — رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر — سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر

پھیری زبان لبوں پہ جو اس نور عین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے

اسلوب بیان کی بلاغت کو دیکھو امام علیہ السلام صغرؑ کو لیکر پانی مانگنے کو نکلے تو سہی لیکن غیرت کے اقتضا سے ہر قدم پہ ٹھہر جاتے ہیں کہ سوال کیونکر کروں، اور کروں بھی تو نتیجہ کیا ہوگا پھر فوج کے قریب پہونچکر سوال کرتے ہوئے شرمانا، تھرا کے رہ جانا، اور سب سے بڑھکر بچہ کے چہرہ سے چادر سرکا کے رہ جانا، کسقدر قیامت انگیز سمان ہے، پھر سوال بھی کرتے ہیں تو علی اصغرؑ پر رکھکر ع اصغرؑ تمھارے پاس غرض لیکے آئے ہیں، واجب الرحم ہونے کی وجہیں کسقدر لاجواب ہیں، اور سب ایک ہی مصرع میں ادا ہوگئی ہیں یعنی ششماہہ ہے بے زبان ہے، نبی زادہ ہے، شیر خوار ہے، ان سب پر قیامت یہ کہ جب سب کچھ کہہ چکے تو بچہ کی زبان حال سے بھی کہلوایا اور بچہ نے کہہ بھی دیا کیونکہ بچہ پیاس کی شدت سے لبوں پر زبان پھیرا کرتا تھا، اب بھی اس نے ایسا ہی کیا تو یہ زبان حال سے کہنا تھا۔

متحد المضمون اشعار اس قسم کے اشعار بعض تو بالکل ہم مضمون ہیں، بعض اس قسم کے ہیں کہ ایک نے ایک خیال کو ادا کیا تھا، دوسرے نے اسکو ترقی دینا چاہا، بعض ایسے ہیں کہ صرف اصل واقعہ مشترک ہے اور دونوں کی طرز ادا الگ الگ ہے، چنانچہ ہم ہر قسم کی متعدد مثالیں نقل کرتے ہیں ؎

دبیر	مثل تنور گرم تھا پانی میں ہر حباب		ہوتی تھیں سیخ موج پہ مرغابیاں کباب
انیس	پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی		ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

یہ مضمون دونوں کے ہاں مشترک ہے کہ گرمی کی شدت یہ تھی کہ موج سیخ بن گئی تھی اور جب کوئی جانور اُس کے پاس جاتا تھا تو جل کر کباب ہو جاتا تھا، بندش اور الفاظ کی نشست میں جو فرق ہے وہ خود ظاہر ہے لیکن معنوی حیثیت سے بھی میر انیس کا شعر بڑھا ہوا ہے۔ میر انیس صاحب کے ہاں گرمی کا مبالغہ جو شعر کی جان ہے، زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ مچھلی سیخ موج تک آنے کے ساتھ فوراً کباب ہو جاتی تھی، مرزا صاحب کے ہاں یہ بات نہیں پائی جاتی وہ کہتے ہیں کہ موج کی سیخ پر مرغابیوں کا کباب لگایا جاتا تھا، اس سے فوراً کباب ہو جانے کا خیال نہیں پیدا ہوتا ؎

دبیر	پاؤں تو چھپ گئے اک انگلی سے زمیں		گردوں کی ڈھال چیر کے رکھ دوں زمین پر
انیس	طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی		رکھ دوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

مرزا صاحب کے شعر کا پہلا مصرع نہایت بد ترکیب ہے، اس کے علاوہ ایک انگلی سے چیرنا نہیں ہوتا بلکہ کھونچا دینا ہوتا ہے۔ ڈھال کی تشبیہ آفتاب سے بہ نسبت آسمان کے زیادہ موزوں ہے ؎

دبیر	دہشت سے جوان بھاگ گئے تیر کی مانند		تھائیں وہ کو رعشہ قدم پیر کے مانند

انیس۔ چلے میں نیزے کے چپتے تھے مثل پاسے پیر

میر صاحب کا مصرع زیادہ فصیح اور صاف ہے، ان الفاظ سے "کانپتے تھے"، جو تصویر خیال مین کھنچ جاتی ہے وہ رعشہ کے لفظ سے پیدا نہین ہوتی، سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک چلنے کی قید نہ مذکور ہو، پوری تشبیہ نہین ہوتی۔ کیونکہ بوڑھے آدمی کے پانون چلنے ہی کی حالت مین کانپتے ہین، اس کے ساتھ چونکہ چلنے کا اطلاق پانون اور نیزہ دونون پر ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ اس موقع پر نہایت موزون ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نیزہ چلانے کی حالت مین نیزہ کو لچک ہوتی ہے اس لئے اسکو کانپنے سے تعبیر کرسکتے ہین، اور اس لحاظ سے یہ کہنا کہ نیزہ چلنے کی حالت مین خوف سے کانپتا تھا نہایت لطیف حسن التعلیل ہے، بخلاف اسکے مرزا صاحب نے چونکہ نیزہ کی جنبش اور حرکت کا ذکر نہین کیا۔ اس لئے رعشہ کا کوئی ثبوت نہین ہوتا۔

دبیر چلاے ہات مل کے جلاجل کہ الامان۔

انیس ہوگیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش۔

جلاجل کے دونون حصے جو بجانے مین مل جاتے ہین اسکی تعبیر دونون بزرگون نے دو طرح پر کی ہے، مرزا صاحب کہتے ہین کہ جلاجل چلا کر الامان کہتا تھا اور ہاتھ ملتا تھا لیکن چلانے کو ہاتھ ملنے سے کوئی تعلق نہین، اس لئے گو تشبیہ صحیح ہے لیکن ہات ملنے کی کوئی توجیہ نہین ہوسکتی، میر صاحب کہتے ہین کہ حضرت امام حسینؑ کا رعب اسقدر غالب ہوا کہ جلاجل ہات جوڑ کے چپ ہوگیا، رعب اور خوف کی حالت مین ہات جوڑنا اکثر ہوتا ہے، اور چونکہ جلاجل کے دونون حصے جب مل جاتے ہین تو پھر جب تک جدا نہ ہون، آواز نہین دے سکتے، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ ہات جوڑ کر چپ ہوگیا۔

دبیر	یون جسم عشہ دار سے جانین ہوئین روان		جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
انیس	یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے		جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے
اصل مضمون یہ ہے کہ روحین جسم سے اس طرح بھاگ گئین جس طرح بھونچال مین کوئی گھر			

چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، لیکن بندش کی صفائی اور برجستگی نے میر انیس صاحب کے مضمون کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا ہے، اس کے علاوہ، صاحب مکان کی تخصیص بالکل بیکار ہے، زلزلہ جب آتا ہے تو صاحب مکان کی کوئی تخصیص نہین، ہر شخص مکان چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، جسم رعشہ دار کی ترکیب نامانوس ہے اور اس قید سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ صرف ان لوگون کی روحین نکلین جنکے جسم رعشہ دار تھے۔ میر صاحب کا پہلا مصرع بھی کچھ اچھا نہین، سر کا لفظ بالکل حشو بلکہ موقع کے لحاظ سے غلط ہے، روح سر مین نہین رہتی اور نہ سر سے اسکو کوئی خصوصیت ہے ۵

دبیر	وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پر	غل رن مین اٹھا کوہ چڑھا کبک دری پر

کسقدر بیہودہ تشبیہ ہے، دشمن کو کوہ اور گھوڑے کو کبک دری کہنا مضائقہ نہین لیکن کوہ کا کبک دری پہ چڑھنا کسقدر مہمل ہے، میر انیس صاحب نے بھی یہی مضمون یعنی دشمن کا گھوڑے پر سوار ہونا متعدد موقعون پر باندھا ہے اور کس خوبی سے باندھا ہے۔

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا۔

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پہ پہاڑ تھا۔

دبیر	رن مین جو گھرا ابر غلیظ اہل سقر کا	بجلی سا کڑکنے لگا کڑکیت عمر کا
ایضاً	گرد عباس کے کثرت تھی ستمگارونکی	مینھ تو تیرون کا تھا اور برق تھی تلوارونکی

پہلے شعر کا مطلب ہے کہ دشمن جو اہل سقر تھے انکے صفون کا دل ابر غلیظ تھا، اور اس ابر مین کڑکیت کا کڑکنا بجلی کا کام دیتا تھا، دوسرے شعر کا مطلب ظاہر ہے، اسی مضمون کو میر انیس صاحب نے باندھا ہے ۵

اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے ستمگارون کی	برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

مرزا صاحب کا پہلا شعر تو بالکل بھدا اور بد ترکیب ہے، دوسرا ذرا صاف ہے، لیکن میر انیس صاحب کے شعر سے اسکو بھی کچھ نسبت نہین ہے، صفائی اور برجستگی کے علاوہ "چمکنے لگی" کے جملہ فعلیہ نے جو حالت پیدا کی وہ "برق" تھی سے کہاں پیدا ہو سکتی ہے ۵

انیس	عالم ہی مکدر کوئی دل صاف نہین ہی		اس عہد مین سب کچھ ہی پر انصاف نہین ہے
دبیر	دل صاف ہو کسطرح کہ انصاف نہین ہی		انصاف ہو کس طرح کہ دل صاف نہین ہے

انصاف سے دیکھو مرزا صاحب نے میر صاحب ہی کے لفظون کو الٹ پلٹ کیا ہے لیکن کس بری طرح سے کہ محض لفظی گورکھ دھندا رہ گیا ہے۔

دبیر کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین۔

انیس سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین۔

دونون مصرعون کی شستگی برجستگی اور صفائی مین جو فرق ہے، وہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے ؎

دبیر	کس آب و تاب سے یہ سر فوج پر گئی		پانی کا گھونٹ بن کے گلے سے اُتر گئی
انیس	سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا		تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ان دونون شعرون کا فرق بھی ظاہر ہے۔

دبیر	یون متصل رسن سے بندھے تھے وہ دلفگار		رشتہ مین جیسے دانۂ تسبیح آب دار

اہل حرم جو ایک ہی رسی مین قید کئے گئے ان کو تسبیح کے دانہ اور رشتۂ تسبیح سے تشبیہ دی ہی اور یہ تشبیہ بجائے خود بری نہین، لیکن میر صاحب کی تشبیہ دیکھو ؎

گردن بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن		جس طرح رشتۂ گلدستہ مین گلہائے چمن

تشبیہ کی لطافت اور نزاکت کے علاوہ، اصل تشبیہ مین کسقدر فرق ہے تسبیح کے دانے رشتہ مین بندھے نہین ہوتے بلکہ پروئے ہوتے ہین، بخلاف اسکے گلدستہ مین پھول رشتہ سے بندھے ہوتے ہین، بندش کی صفائی کا جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اسکے علاوہ مرزا صاحب کے ہان آبدار کا لفظ محض فضول اور بیکار ہے، ؎

دبیر	بیجرم معرکہ مین وہ خار انگنان تھی		لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی

مرزا صاحب نے اس مضمون کو نہایت خوبی اور صفائی سے ادا کیا ہی میر انیس صاحب نے اس مضمون کو کئی کئی طرح سے پلٹا، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ بات نصیب نہ ہوئی، میر صاحب کہتے ہین۔

انیس ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا۔

" جو چاہے دیکھ لے مرا منہ پاک صاف ہی ۔ ۵

"	دم مین نہ وہ غرور نہ وہ خودسری ہی		مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی
مرزا دبیر	ورکش خدا کی فوج سے چھوٹے بڑے ہوے		سجادہ سے امام زمن اٹھ کھڑے ہوے
میر انیس	طیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوے		تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اٹھ کھڑے ہوے
دبیر	روشن پدر کا زور ہے دنیا و دین پر		ششدر تھے جبرئیل کٹے جبکہ تین پر
انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر		کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

دبیر بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی۔

انیس کھلتی تھین اور جھپکتی تھین آنکھین حباب کی۔

دیگر تصانیف مولانا شبلی مرحوم

سیرۃ النبی صلعم - جلد اول حصہ اول (مجلد) قیمت باختلاف کاغذ و جلد معہ و ﷲ

حصہ دوم " " " " و ﷲ

جلد دوم " " " تخمیناً عہ و سعہ

الفاروق - خلیفۂ دوم سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے سوانح زندگی اور آپ کا طرز حکومت ے ر و عا

سیرۃ النعمان - امام ابو حنیفہؒ کی سوانحعمری اور اُن کے اجتہادات و مسائل عہ

الغزالی - امام غزالیؒ کی سوانح عمری اور اُن کا فلسفہ عہ و عہ

سوانح مولانا روم - مولانا جلال الدین رومیؒ کی سوانحعمری مثنوی اور دیگر تصانیف پر تقریظ عا

المامون - خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد سلطنت کے حالات عہ

رسائل شبلی - مولانا شبلی کے ۱۱ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ عہ

مقالات شبلی " ۱۳ " " عہ و عہ

مضامین عالمگیر - شہنشاہ اورنگ زیب پر اعتراضات اور اُنکے جوابات عہ و عہ

علم الکلام - مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ، اُسکی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات عا

الکلام - جدید علم کلام، عقلی دلائل سے مذہب کا اثبات، اور ملاحدہ و منکرین کا رد عا

شعر العجم (حصہ اول) شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز، اور قدما کا دور ے ر و عا

" (حصۂ دوم) شعرائے متوسطین کا دور عا و عا

" (حصۂ سوم) شعرائے متاخرین کا دور عا و عا

" (حصۂ چہارم) فارسی شاعری پر ریویو ے ر و عا

" (حصۂ پنجم) فلسفیانہ، صوفیانہ، اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ عا و عہ

سفرنامۂ روم و مصر و شام - تینوں ملکوں کی معاشرت و تمدن کا بہترین مرقع عا

مجموعۂ کلام شبلی (اردو) ۱۲ر، مثنوی صبح امید (اردو) ۴ر، کلیات شبلی (فارسی) عا

متفرق مضامین - اسلامی حکومت ۲ر، اسلامی مدارس ۴ر، زیب النسا ۱ر، جہانگیر ۲ر، کتبخانۂ اسکندریہ ۲

ملنے کا پتہ :- الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-books and **10 Paise** per volume per day for general books kept over - due.